BANGALORE CITY UNIVERSITY

Coure Title : BCom (UG)

LANGUAGE URDU

State Education Policy (SEP) 2024-25 and onwards

First Semester

Coure Content: Afsana, nazmein , Grammar , Drama

Coure Credits : 3   Total Contact Hours   : 4/week

Summative Assessment Marks=80

Farmative Assessment Marks= 20

UNIT:1

افسانے

۱)راستہ بند ہے	جیلانی بانو
۲)آنکھیں	قاضی عبدالستار
۳)معافی	پریم چند
۴)لاوا جو پھوٹ پڑا	فیاض قریشی

UNIT:2

نظمیں

۱)دعائے اسیر	مولانا محمد علی جوہر
۲)رشوت	جوشؔ
۳)اے جوئے آب	محمود ایاز
۴)انقلاب	مخدوم محی الدین

UNIT:3

گرامر

۱)اسم اور اس کی قسمیں

۲)ضمیر اور اس کی قسمیں

UNIT:4

ڈراما

سمجھوتا --	انور عنایت اللہ

جیلانی بانو

راستہ بند ہے

راستہ بند ہے

بڑھتے ہوئے جرائم اور بے روزگاری کو کم کرنے کے لیے اب چیف منسٹر، منسٹروں کی تعداد بڑھانے اسمبلی کی طرف جانے والے ہیں۔

اس لیے راستہ بند ہے۔

الیکٹریکل پول کی سرخ بتی کسی راکشس کے دیدوں کی طرح چمک رہی ہے۔

اب راستہ کب کھلے گا......؟

ٹریفک کا شور بڑھتا جا رہا ہے۔ چاروں طرف سڑکوں پر کاروں، اسکوٹر، آٹو رکشا اور پیدل چلنے والوں کا ہجوم ہے۔ لوگ بے صبری سے راستہ کھولنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اسکول جانے والے بچے بیگس سنبھالے کھڑے ہیں۔ سر پر اینٹوں کا ٹوکرا اٹھائے مزدور۔ گھر کا سامان لے جانے والی عورتیں۔ لاٹھی کے سہارے کھڑے ہوئے بوڑھے لوگ۔ ’’منّی نو بجے ہمارا امتحان شروع ہو جائے گا۔‘‘ ایک بچہ گھبرا کے اپنی بہن سے کہتا ہے۔

’’ٹیچر ہمیں پیپر نہیں دیں گی۔‘‘ منی رونے لگتی ہے اور پھر بھائی کا ہاتھ پکڑ کے کہتی ہے۔

’’آؤ......اپن آگے چلے جائیں گے۔‘‘

سب بچے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے آگے بڑھتے ہیں۔ ٹریفک کانسٹبل ڈنڈا مار کے انہیں پیچھے ڈھکیل دیتا ہے۔

’’اُدھر دیکھو......لال بتی نظر آ رہی ہے......؟

’’مگر ہمارا ایگزام ہے انکل......‘‘ بچے رونے لگتے ہیں۔

ان بچوں کو جانے دو یار۔ لمبے بالوں والا ایک نوجوان کہتا ہے، اس کے ہاتھ میں گٹار ہے ’’دس بجے میرا ٹی وی پروگرام ہے۔‘‘ مجھے بھی اب جانے دو۔

وہ آگے بڑھا تو کانسٹیل نے ڈنڈا مار کے پیچھے ڈھکیل دیا۔

اسکوٹر پر سوار ایک نوجوان سب کو ہٹا کر تیزی سے آگے نکل جانا چاہتا تھا۔ مگر کانسٹبل نے اسے ڈنڈا مار کر گرا دیا۔ اسکوٹر اس کے اوپر

گر گئی۔اس کے سر سے خون نکلنے لگا۔سب لوگ جمع ہو گئے...... چیخ و پکار ہونے لگی۔کچھ لوگ کانسٹبل کو مارنے دوڑے۔مگر اس نے سیٹی بجا کر اپنے ساتھیوں کو اکھٹا کرلیا اور زخمی نوجوان سے سو روپے جرمانہ لے کر اسے آگے جانے دیا۔

''دس بجے اے پی ایکسپریس چلی جائے گی۔مجھے دہلی جانا ہے جانے دو بھائی'' آٹو میں سوار ایک نوجوان نے بلک کر کہا۔

''آپ سب کہیں نہیں جائیں گے۔چیف منسٹر کے آنے تک کوئی آگے نہیں بڑھ سکتا۔

کانسٹبل نے سیٹی بجا کر سب کو روک دیا۔

''یہ راستہ کدھر جاتا ہے......؟ ہونڈا کار سے منھ باہر نکال کر ایک صاحب نے رکشا والے سے پوچھا۔

''ابھی تو کدھر بھی نہیں جاتا صاحب۔'' رکشا والے نے بیزار ہو کر کہا۔

''چیف منسٹر کے جانے کے بعد معلوم ہوگا کون سا راستہ کدھر جاتا ہے؟''

بھائی صاحب ہمیں جانے دو۔'' آٹو رکشا میں بیٹھی ایک عورت رو رو کر کانسٹبل سے کہہ رہی تھی۔

''میری بیٹی کے بچہ ہونے والا ہے۔اسے جلدی سے ہاسپٹل لے جاتا ہے۔''

''بس کرو ماں بچے پیدا کرنا......'' اسکوٹر والے ایک نوجوان نے بیزار ہو کر کہا۔

''سامنے اپنے بچے کھڑے ہیں۔انھیں آگے جانے کا راستہ نہیں مل رہا ہے۔''

او بابو۔اس لنگڑے لاچار کو ایک روپیہ دے دو۔صبح سے بھوکا ہوں۔اللہ آپ کو ہزار روپے دے گا۔ایک صاحب نے جلدی سے پرس کھولا۔بھکاری کو ایک روپیہ دے دیا اور بھکاری اس کو بے شمار دعائیں دینے لگا۔

ان صاحب کے پاس ایک چھوٹی سی لڑکی کھڑی تھی۔اس نے اپنی اماں سے پوچھا۔

''اماں۔کیا اللہ میاں بھکاری کی دعا سن لیتے ہیں؟ تو پھر وہ اپنے لیے اللہ میاں سے ہزار روپے کیوں نہیں مانگ لیتا......؟''

''افوہ...... مجھے تو چکر آ رہا ہے...... جانے راستہ کب کھلے گا...... میرا پریشر بڑھ گیا ہے۔''

ایک بوڑھے سے صاحب نے گٹار والے نوجوان کے کاندھے پر سر رکھ دیا۔

''آپ کا گھر کہاں ہے صاحب......؟ میں آپ کو پہنچا دوں گا۔......ان کے قریب کھڑے ہوئے آٹو رکشا والے نے بڑی ہمدردی سے انہیں دیکھا۔

''میرا گھر کہاں ہے......؟ تیس برس ہو گئے یہ سوچتے ہوئے کہ کیا وہ میرا گھر ہے......؟ تم کیسے پہنچا دو گے، وہاں جانے کا راستہ تو میں بھی نہیں جانتا......'' انھوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''پاگل بڈھا ہے۔'' ......آٹو رکشا والا گٹار والے لڑکے کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔آخر راستہ کب کھلے گا۔ہم یہاں کب تک کھڑے

رہیں گے......؟

اسکول جانے والے بچے بیزار ہو رہے تھے۔ انھوں نے اپنے پاس کھڑے ہوئے ایک بڈھے سے پوچھا۔ اس کے سر پر اینٹوں کا ٹوکرا تھا۔ ہاتھ میں بندھی ہوئی رسی تھی۔

''جانے راستہ کب کھلے گا بیٹے۔ مجھے دیکھو! اتنا بوجھ اٹھائے کب سے کھڑا ہوں۔''

''لڑکے نے بڑے غور سے بوڑھے کو دیکھا اور پاس کھڑی اپنی بہن سے بولا۔

''منی......کیا ہم بھی یہاں کھڑے کھڑے اس آدمی کی طرح بوڑھے ہو جائیں گے......؟''

ہمیں پیچھے لوٹ کر دوسری سڑک پر بھی نہیں جانے دے رہے ہیں۔'' ایک سائیکل سوار نے کہا۔

''چیف منسٹر آنے والے ہیں۔ اس لیے سڑکوں کے کنارے والی پھلوں، ترکاریوں کی ٹرالی۔ فٹ پاتھ پر ہونے والے اندھے اپاہج فقیروں کو ہٹا کر وہاں صفائی کی جا رہی ہے۔''

''آج سڑکوں پر اتنی صفائی کیوں ہو رہی ہے ممی......؟ کیا منسٹر کے آنے سے کوئی بیماری پھیل جاتی ہے......؟ ایک بچے کے اس سوال پر آس پاس کھڑے ہوئے لوگ ہنسنے لگے۔

پھر ایک ویگن آ کر سب کو ہٹاتی تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔ کانسٹبل سیٹی بجا کر اس کی طرف دوڑا......کار والے نے کانسٹبل کے پھیلے ہوئے ہاتھ میں کچھ دے دیا......اور کار آگے بڑھ گئی۔

اس کار کے آگے جاتے ہی ہجوم کو ہٹانے کے لیے زور زور سے ہارن بجاتی ایک اور میڈم آگے بڑھنے لگیں۔ کانسٹبل نے سیٹی بجا کر انہیں روکا۔

میڈم جی راستہ بند ہے۔ اوپر نہیں دیکھا۔ آپ نے......؟

''لیکن مجھے ابھی ایک پارٹی میں جاتا ہے۔ ہٹو تم نہیں جانتے میں کون ہوں......! میں ایک پارٹی کی ممبر ہوں۔ میٹنگ میں جا رہی ہوں۔ او دیکھو میرا وزٹنگ کارڈ۔......''

''مگر چیف منسٹر نے آپ کا راستہ بند کر دیا ہے تو اب سوچ لو میڈم جی کہ آپ کس پارٹی کی دعوت میں جائیں گی اب؟''

گٹار والے لڑکے نے ہنس کر کہا تو آس پاس کھڑے ہوئے لوگ بھی ہنسنے لگے۔

کانسٹیبل پھر میڈم جی کی کار کے اندر جھانک کر کچھ بولا۔ میڈم نے اس کے ہاتھ میں کچھ تھما دیا اور کار آگے چلی گئی۔

''یا اللہ......میرے اللہ راستہ کھول دے۔ اتنا بوجھ اٹھائے کب تک کھڑی رہوں میں......؟''

سر پہ لکڑیوں کا بوجھ اٹھائے گود میں بچے کو سنبھالے ایک عورت رونے لگی۔

''اتنی زور سے کیوں چلا رہی ہے اماں''---گٹار والے لڑکے نے اس سے کہا اور اس کے بچے کو اپنی گود میں لے لیا۔

''کیا تمہارے پکارنے سے اللہ میاں راستہ کھولنے آ جائیں گے......؟''

''ارے اللہ میاں کسی نیک بندے کو بھیج دیں جو آ کر راستہ کھول دے۔''عورت نے بیزار ہو کر کہا۔

''ذرا سنئے مولوی صاحب۔ یہ عورت کیا کہہ رہی ہے''......گٹار والے کے پاس کھڑے ہوئے ایک نوا جوان نے مولانا سے کہا۔

''ہاں......اب اللہ یاد آ رہا ہے تجھے......؟''مولانا نے غصہ میں عورت کی طرف دیکھا۔''سالے شراب پیتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں گالیاں بکتے ہیں......کبھی نماز نہیں پڑھتے۔ اللہ کو یاد نہیں کرتے......''اپنے آس پاس اتنے لوگوں کو دیکھ کر مولوی صاحب نے وعظ شروع کر دیا۔

''ارے چپ بیٹھو مولوی صاحب......''عورت کے پیچھے کھڑے ایک مزدور نے غصہ میں کہا۔

''پیٹ بھر کے کھانا کھا لیتے ہیں، وضو کرنے کو پانی مل جاتا ہے، اچھے کپڑے پہن کر آپ نماز پڑھتے ہیں......ہم کیا کرتے ہیں......؟ آ کر دیکھو نا......دن بھر پتھر پھوڑتے ہیں۔ اینٹوں کے ٹوکرے سر پر رکھ کر تین منزل والی بلڈنگ پر جاتے ہیں۔ رات کو اسی بلڈنگ کے نیچے پتھر کا تکیہ بنا کر سو جاتے ہیں ہم۔''

''چپ رہ بھائی۔ اس وقت لڑائی جھگڑا رہنے دے۔ کھڑے کھڑے پاؤں تھک گئے۔ ایک صاحب نے بور ہو کر کہا۔

''ہم کیوں لڑائی کریں گے۔ مولوی صاحب؟''

''بلڈنگ بن گئی ہے تو بلڈر صاحب ہماری جھونپڑی توڑ رہے ہیں وہاں سے چلے جاؤ بول رئیں......''

ہم کہاں جائیں......سر پر اپنے سامان کا ٹوکرا اٹھائے بچوں کا ہاتھ تھامے ایک مزدور عورت پوچھ رہی تھی۔

اس کے پیچھے سر پر سامان کے ٹوکرے اٹھائے تین چار بچے کھڑے تھے۔

''تو پھر کیا بلڈنگ بنانے کے بعد اس بلڈنگ میں رہنے کا ارادہ تھا تمہارا......''مولوی صاحب نے ہنس کر پوچھا۔

''بلڈنگ بنانے کے لیے ہماری جھونپڑیاں توڑ دیے ہما، را سامان اٹھا کر پھینک دئے، کہیں بھی چلے جاؤ۔ بول رہیں۔ اب دوسری بلڈنگ میں کام ملنے تک ہم کہاں رہنا صاحب......؟

بہت سے مزدور عورتیں بچوں کو گود میں اٹھائے سروں پر سامان رکھے پریشان ہو رہی ہیں۔ مردوں نے زیادہ وزنی سامان سروں پہ رکھ لیا تھا۔ سر پر لکڑیوں کا بنڈل اٹھائے ایک بوڑھی مزدور عورت کو ڈھکیل کر آگے بڑھنے لگی۔

'' بیٹے......کورٹ جانے کا راستہ کدھر ہے......''اس نے گٹار والے نوجوان سے پوچھا۔

''کورٹ......؟ کورٹ کیوں جا رہی ہو ماتا جی......؟''ایک اسکوٹر والے نے بوڑھی عورت کو ہنس کر دیکھا۔

''میں اب وہاں جاؤں گی۔ ہمارے گھر توڑ دیے، سامان پھینک دیے، کیا ہم سڑکوں پر رہیں گے، اب میں وہاں جا کر پوچھوں گی جہاں انصاف ہوتا ہے''...... بوڑھی عورت زور زور سے رونے لگی...... گٹار والے لڑکے نے اسے تھام لیا......

''آپ کے لیے وہاں جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے ماں جی جہاں انصاف ہوتا ہے۔ آگے راستہ بند ہے۔''

مرسیڈیز کار میں بیٹھنے والے صاحب مسلسل ہارن بجائے جا رہے تھے۔

وہ اپنے پاس بیٹھے دوست سے باتیں کر رہے تھے۔

''آپ کے اوپر تو کئی کروڑ کے Scam کا کیس چل رہا ہے۔......؟''

''ہاں۔ میں اسی پرابلم پر بات کرنے چیف جسٹس کے پاس جا رہا ہوں'' انھوں نے لاپروائی سے کہا۔

''کیا وہ آپ کی بات سنیں گے......؟ ان کے دوست نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں ہاں......'' دوست نے لاپروائی سے کہا۔

میں ان سے پہلے بھی مل چکا ہوں۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ گورنمنٹ کے ڈپارٹمنٹ میں کروڑوں روپے کا Scam کیسے ہوتا ہے......؟ مجھے چیف جسٹس صاحب کے سوال پر ہنسی آ گئی۔ میں بولا۔۔

''بہت مشکل کام ہے سر آپ جیسے لوگ نہیں کر سکتے۔ اس کرسی پر بیٹھو اور ہم سے لے کر موج مناؤ۔ ان کو غصہ آ گیا......آج مجھے بلائے ہیں۔''

''ارے......اب کیا ہوگا......؟ ان کے دوست نے گھبرا کے کہا۔

''اب ان کے پی اے سے بات کر لیں گے۔ صاحب کے ساتھ کوئی بات ہو جائے گی۔''

انھوں نے لاپروائی سے کہا۔

''منسٹر صاحب کے آنے میں اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے۔ وہ کیا کر رہے ہیں انکل......؟ ایک لڑکے نے گٹار والے سے پوچھا۔

''بہت کام کرنا پڑتے ہیں منسٹر کو......'' گٹار والے نے بچے کو سمجھایا۔

''میٹنگ میں جانے سے پہلے انھیں میک اپ روم میں جانا پڑتا ہے۔......آج کس پارٹی کا کلر چہرے پر لگانا ہے۔ پھر سوچنا پڑتا ہے۔ کون سی پارٹی والا ڈریس بدلنا ہے؟ اور پھر ٹی وی پر جو کہنا ہے ویسا ہی میک اپ کرنا پڑتا ہے۔''

ہٹو ہٹو...... بھاگو بھاگو......راستہ کیوں بند کر دیے۔ چیختے چلاتے روتے ہوئے مردوں عورتوں کا ہجوم آگے بڑھنے لگا۔

اچھا؟ غریبی ختم کرنے کے لیے منسٹر جن غریبوں کو ختم کرنے کا پلان بنا لیتے ہیں شاید آج وہی اعلان ہونے والا ہے۔''

''مسجد میں بم پھینک دیے تو ہماری بستی میں پولیس والے آ کر لوگوں کو مار رہے ہیں۔'''' کتنے لوگ مر گئے صاحب'' وہ سب رو

رہے تھے۔ چلا رہے تھے۔

''پولیس کو یہ کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ میڈیا میں ٹی وی پر سرکار کے کام کا تماشہ کیسے دکھائیں گے اور پھر ......''

مگر اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ بہت سے روتے چلاتے آدمی بھاگتے ہوئے آئے۔ وہ سب کو ہٹا کر آگے بڑھنے لگے اور پولیس والوں کی لاٹھی کی مار ے رونے لگے۔

''دیکھو......وہ ہمیں مارنے آرہے ہیں......؟

''وہ تمہیں کیوں مار رہے ہیں......؟ کیا تم مسلمان ہو......؟

''نہیں......اب ہم آگے والے مندر میں چھپ جائیں گے۔''

''اس لیے تو بچ گئے آج''......ایک شیروانی والے مولانا نے کہا۔

''اچھا؟ کیا مندر کے اندر چلے جاؤ گے۔'' گٹار والے نے ہنس کر کہا۔

''پہلے پجاری کو بتانا پڑے گا کہ تم برہمن ہو......شودر ہو......تمہارے ہاتھ میں کتنے بم ہیں......؟ اب بھگوان کے سامنے جانے سے پہلے سیکورٹی گارڈ تلاشی لیتا ہے پجاری۔''

''او چھوکرے......اپنی زبان بند کر۔ بہت دیر سے تیری بکواس سن رہا ہوں'' ایک صاحب نے غصہ سے کہا'' لوگ پریشان ہیں تو ٹی وی کا کامیڈی پروگرام کر رہا ہے......؟

چیف منسٹر آنے والے ہیں۔ آپ لوگ شانت رہیئے۔ ہم ان کا راستہ روک دیں گے۔ ان سے پوچھیں گے کہ وہ ہمارے لیے کیا کرنے والے ہیں......؟ ان صاحب نے پریشان لوگوں کو سمجھایا۔

مجھے معلوم ہے کہ چیف منسٹر کیا کہیں گے......؟ گٹار والے لڑکے نے ہاتھ اٹھا کر سب کے سامنے آکر...... مسخرے کی طرح گردن اونچی کر کے زور زور سے کہا......

''آپ سب کی بپتا سن کر مجھے بہت دکھ ہوا......اب میں اعلان کرتا ہوں کہ:

جو ہندو ہیں انھیں آگ میں جھونک دو۔

جو مسلمان ہیں انھیں خاک میں ملا دو۔ جیئے ہند......''

☆☆☆☆☆

قاضی عبدالستار

آنکھیں

کہانی کی کہانی

(یہ کہانی مغل شہنشاہ جہانگیر کی ہے، جس میں مغل سلطنت کی سیاست، بادشاہوں کی محفل اوران محفلوں میں ملنے والوں کا تانتا ہے، انھیں ملنے والوں میں جہانگیر کی ملاقات ایک ایسی لڑکی سے ہوتی ہے جس کی آنکھیں انھیں مسحور کر دیتی ہیں۔ صایمہ بیگم کی آنکھیں ایسی ہیں کہ دیکھنے والے کے دل ودماغ میں براہ راست پیوست ہو جاتی ہیں اور بادشاہ جہانگیر کے ذہن پر ہر وقت ان آنکھوں کا تصور چھایا رہتا ہے۔)

طاؤس کی غمناک موسیقی چند لمحوں کے بعد رک جاتی ہے۔

''سبحان اللہ۔۔۔جہاں پناہ۔۔۔سبحان اللہ۔''

''بیگم''(بھاری اور رنجور آواز میں)

''جہاں پناہ۔۔۔اگر ہندوستان کے شہنشاہ نہ ہوتے تو ایک عظیم مصنف، عظیم شاعر، عظیم مصور اور عظیم موسیقار ہوتے۔''

''یہ تعریف ہے یا غمگساری۔۔۔بہرحال جو بھی ہے مابدولت کے بے قرار دل کو قرار عطا کرنے کی جسارت کرتی ہے۔''

''جہاں پناہ کی آنکھوں نے آج پھر نیند کو باریابی سے محروم رکھا؟''

''بیگم''

''نصیب دشمناں۔۔۔کیا مزاج عالم پناہی۔''

''ہندوستان کے تخت پر جلوس کرنا آسان ہے لیکن سچ بولنا دشوار ہے۔دشوارتر۔''

''نورجہاں بیگم کے سامنے بھی عالم پناہ!''

''بیگم''

''ظل الٰہی کو جو ارشاد فرمانا ہے وہ ارشاد فرما دیا جائے۔۔۔پھر جلاد کو حکم دیا جائے کہ ہمارے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر الفاظ پر مہریں لگا دے۔''

''خوب۔۔۔جوانی آنکھیں قبول کر چکی۔۔۔بڑھاپا سماعت کو سولی چڑھا دے۔''

''کنیز کچھ سمجھنے سے قاصر ہے۔''

''آپ کے نام کا سکہ روئے زمین کی سب سے شاندار سلطنت کے بازار کا چلن ہے۔ ہندوستان کی مہر حکومت آپ کی انگشت مبارک کی زینت ہے۔ زمانہ جانتا ہے کہ جہانگیر ایک جام کے عوض تاج ہندوستان آپ کو عطا کر چکا۔۔۔لیکن یہ کون جانتا ہے کہ جہانگیر آج بھی اپنی محبت کی تکمیل کا محتاج ہے۔''

''ظل اللہ۔''

''پوری کائنات کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لینے والی محبت اس ایک چھوٹے سے لمحے کی محتاج ہوتی ہے جب عاشق اپنے سینے کا آخری راز محبوب کے سینے میں منتقل کر دیتا ہے۔۔۔آج کون سی رات ہے بیگم۔''

''شوال کی چودھویں عالم پناہ۔''

''بہت خوب۔۔۔آج کی رات آسمان سے اس لیے اتاری گئی کہ مابدولت آپ کے سر پر تکمیل کی محبت کا تاج رکھ دیں۔''

''ظل الٰہی۔۔۔کیا روئے زمین پر کوئی عورت ہے جس کے ہاتھ میں خاتم سلیمانی ہو اور سر پر محبت کا تاج؟''

''نور جہاں بیگم۔۔۔ رام رنگی کا ایک جام بنایئے اور اس طرح ہونٹوں سے لگا دیجیے کہ جام مابدولت کی آنکھوں سے دور رہے۔۔۔ایک عمر ہونے کو آئی کہ جام میں آنکھیں نظر آ رہی ہیں۔۔۔وہی آنکھیں۔۔۔۔وہ بے پناہ آنکھیں۔''

''جہاں پناہ طبیب شاہی کی مقرر کی ہوئی مقدار شراب۔۔۔''

''نوش فرما چکے! یہ کیسی شہنشاہی ہے کہ ایک ایک جام کو ترستی ہے۔۔۔؟''

''بیگم۔۔۔ ہماری محبت کے جشن تاجپوشی کے تصدق میں ایک جام عطا کر دیجیے۔''

''اتنی عزت نہ دیجیے جہاں پناہ کہ نور جہاں اس بار عظیم کی متحمل نہ ہو سکے۔''

(شراب ڈھالتی ہے۔۔۔ایک ہی سانس میں جام خالی ہو جاتا ہے)

''بیگم!''

''کنیز ہمہ تن گوش ہے عالم پناہ۔''

''ایک مدت ہوئی کہ مابدولت زندہ تھے۔''

''ظل اللہ۔''

''جی ہاں بیگم۔۔۔زندگی کا صرف ایک نام ہے۔ جوانی۔۔۔اور سلیم کی جوانی دولت مغلیہ کے اولین صاحب عالم کی جوانی۔۔۔ فردوس مکانی بابر بارہ برس کی عمر میں بادشاہ ہو گیے۔ جنت مکانی ہمایوں میدان جنگ میں تلوار چلاتے ہوئے جوان ہوئے۔ عرش آشیانی

(اکبر) اپنے داداجان کی طرح بارہ برس کی عمر میں تخت نشین ہوئے اور اکبر اعظم کی ولی عہدی سلیم کا مقدر ہوئی۔۔۔عرش آشیانی نے جب شراب پر پہرے بٹھا دیے تو مابدولت کے جاں نثار اپنی بندوقوں کی نالیوں میں شراب بھر کر لاتے اور پیمانے لبریز کر دیتے اور نظام ہضم بارود سے سینچی ہوئی شراب اس طرح ہضم کر لیتا جس طرح آج دوا کا پیالہ ہضم نہیں ہوتا۔اس بے پناہ جوانی اور بے محابہ شہزادگی کا اثر تاجداری پر طاری رہا۔۔۔بیگم۔''

''عالم پناہ۔''

''یہ پردہ ہٹا دیجیے۔۔۔سنگ مرمر کی زیبائی چاندنی سے ہوتی ہے۔آج کی رات کی چاندنی میں اگر مابدولت جوان ہوتے تو ساری رات آپ کے ہاتھوں سے پیمانے قبول کرتے رہتے۔''

''جہاں پناہ۔''

''ہاں بیگم۔۔۔دوسرا سال جلوس تھا۔مابدولت مینا بازار میں جلوہ افروز تھے کہ ایک لڑکی نے پان پیش کیے۔گلوریوں کی نزاکت اور نفاست پسند خاطر ہوئی۔ہاتھوں پر نظر پڑی تو اور ہی عالم نظر آیا جیسے نور کے سانچے میں ڈھال دے گیے ہوں۔نگاہ بلند ہوئی۔معصوم وحشی آنکھوں میں ڈوب گئی اور محسوس ہوا جیسے اندر کہیں کوئی چیز ٹوٹ گئی۔جب ہوش آیا تو وہ نگاہ نیچے کئے لرز رہی تھی اور دونوں ہاتھوں میں طشت کانپ رہا تھا۔مابدولت گردن سے ہار اتار رہے تھے کہ اس کی آواز طلوع ہوئی جیسے کشمیر کے برف پوش پہاڑوں پر سورج کی کرن تڑپتی ہے۔''

''تحفہ درویش کی قیمت کیا عالم پناہ۔''

''بے شک تحفہ درویش قیمت سے بلند ہوتا ہے۔یہ موتی اس نفاست اور نزاکت کی داد ہیں جو ان گلوریوں میں مجسم کر دی گئی۔ہم آگے بڑھے تو عرفان ہوا کہ ہم پیچھے رہ گئے۔پہلی بار معلیٰ ویران معلوم ہوا۔۔۔اکبر اعظم کے جانشین کی بارگاہ خالی محسوس ہوئی۔پہلی بار مابدولت کو غربت کا تجربہ ہوا۔ایسی غربت جو دل کو مٹھی میں دبوچ کر ایک ایک قطرہ لہو نچوڑ لیتی ہے اور جب ہم نے چاہا کہ دل کی ویرانی کو شراب سے شاداب کر لیں تو پہلی بار انکشاف ہوا کہ شراب نشے سے عاری ہو چکی۔دیر تک شیشے خالی ہوتے رہے، لیکن دل کا خلا پر نہ ہو سکا۔''

''جہاں پناہ! کنیز نے اپنی کم فہمی کی بنا پر قیاس کیا تھا کہ ظل الٰہی کا راز شاہزادہ خرم اور شاہزادہ شہریار کی آویزش سے متعلق ہوگا لیکن۔''

''خرم اور شہریار کی آویزش مغل تاجداروں کی روایت ہے۔مغل سلطنت اس کا مقدر ہوتی ہے جس کی تقدیر کا مگار اور شمشیر آبدار ہوتی ہے۔جب خسرو نے مابدولت کے منہ پر تلوار کھینچ لی تو خرم اور شہریار بہرحال۔''

''پھر جہاں پناہ۔''

''پھر مابدولت کے ہاتھ نے گھنٹہ بجا دیا۔ چوبدار کے بجائے محرم خاں کورنش ادا کر رہا تھا۔ ابھی اس کی بے ادب حاضری پر غور فرما رہے تھے کہ معروض ہوا،'' پان پیش کرنے والی صاحبزادی کا نام صائمہ خاتون ہے، جو بخارا کے شیخ الاسلام کی پوتی اور جلوہ دار شیخ عرب کی بیٹی ہیں۔ان کا مکان عرب کی سرائے ہے۔''

''محرم خان۔''

''ظل الٰہی''

''یہ قیمتی معلومات کس کے حکم سے فراہم کی گئیں۔''

''زبان مبارک سے نازل ہونے والے احکامات کی تکمیل ہر بندہ درگاہ کا فرض ہے۔لیکن محرم خاں جیسے مقرب بارگاہ کے منصب حق ہے کہ وہ عالم پناہ کے چشم وابروزبان سمجھنے کی قدرت رکھتا ہو۔''

''جہانگیری چشم وابرو کی زبان سمجھنا ایک نادر علم ہے۔لیکن اس کا اظہار اس سے زیادہ نادر ہنر اور اس ہنر کا غلط استعمال بیداد کا مستوجب۔''

''خداوند۔''

''مابدولت نے تمہارا قصور معاف کیا اور حکم دیا کہ خلعت ہفت پارچہ مع زروجواہر کے ساتھ نواب صائمہ بیگم کی خدمت میں حاضر ہو اور پیام دو کہ جشن سالگرہ میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کریں۔''

''ہر چند کہ ابھی رات کی زلف کہیں تک بھی نہ پہنچی تھی تاہم بے طرح انتظار فرما چکے تھے۔''

''کتنی خوش نصیب تھی صائمہ بیگم کہ عالم پناہ اس کے منتظر تھے۔کتنی بدنصیب تھی صائمہ بیگم کہ جہاں پناہ کی حضوری سے محروم تھی۔''

''تمام رات وہ آنکھیں ہماری آنکھوں کے سامنے مجری کرتی رہیں،جن کی سیاہی میں ابدالآباد تک کے تمام مہجور عاشقوں کی سیہ بختی کا جوہر کھینچ کر انڈیل دیا گیا تھا۔جن کی تاب کے سامنے تمام سمندروں کے تمام موتیوں کی آب پانی پانی تھی۔''

''سبحان اللہ۔۔۔اگر ملک الشعراء اس تشبیہ کو سن لیتا تو خجالت سے ڈوب ڈوب جاتا۔''

''وہ رات زندگانی کی سب سے بھاری رات تھی۔''

''کیا اس رات سے بھی بھاری جہاں پناہ۔۔۔جس کی صبح اکبر اعظم کی تلوار طلوع ہونے والی تھی۔''

''ہاں بیگم۔۔۔اس رات کی دلداری کے لیے پچاس ہزار تلواریں سلیم کی رکاب میں تڑپ رہی تھیں اور صاحب عالم کے منہ سے نکلا ہوا ایک فقرہ اکبری تلوار کو غلاف کر سکتا تھا۔لیکن اس رات کی غمگساری کے لیے نورالدین محمد جہانگیر کے پاس ایک دامن و آستین کے سوا

کچھ نہ تھا۔''

''کاش۔۔۔اس رات کی خدمت گزاری کنیز کا مقدر ہوئی ہوتی۔''

''پھر سورج کی کرنیں سلام کو پیش ہوئیں۔۔۔مابدولت درشن کے پرنزول اجلال کے اہتمام میں مصروف تھے کہ فریادی نے زنجیر ہلادی۔''

''صائمہ بیگم اس طرح باریاب ہوئی گویا وہ کشور ہندوستان کی قلعہ معلیٰ میں نہیں کسی غریب عزیز کے گھر میں قدم رنجہ فرما رہی ہیں۔ نقاب کے اٹھتے ہی محسوس ہوا جیسے داروغۂ چاندنی خانہ نے قلعہ معلیٰ کی تمام روشنیاں ایک شاہ برج میں انڈیل دی ہوں۔استفسار پر اس طرح مخاطب ہوئی جیسے وہ جہانگیر سے نہیں اپنی ڈیوڑھی پر کھڑے ہوئے سوالی سے مخاطب ہے۔۔۔اس کی خطابت نے یقین دلا دیا کہ مابدولت نے محرم خاں کو سفیر بنا کر غلطی کا ارتکاب نہیں، جرم سرزد فرمایا ہے۔پھر معلوم ہوا کہ بھری دوپہر پر رات غالب آ گئی ہے۔وہ جا چکی تھی۔۔۔اس کے غروب ہوتے ہی محرم خاں باریاب ہوا۔۔۔عرض کیا گیا کہ خلعت نامقبول اور دعوت نامنظور ہوئی۔''

نجابت اور شرافت پر اتنا غرور۔۔۔ایسا تجبر۔۔۔معاذ اللہ۔۔۔معاذ اللہ۔۔۔ایک جام اور عنایت کہ زبان خشک ہونے لگی ہے۔(شراب ڈھالتی ہے۔۔۔اور ایک ہی سانس میں آبگینہ ختم ہوجاتا ہے)

''جہاں پناہ۔''

''گوش گزار کیا گیا کہ ارم آشیانی علیہ حضرت مریم زمانی ورود مسعود فرما رہی ہیں۔۔۔سلام کے جواب میں ارشاد ہوا کہ شیخو بابا کو اس مغرور لڑکی میں کیا نظر آ گیا کہ مغل جبروت وجلال کی بازی لگا دی گئی۔۔۔مابدولت سکوت فرما رہے۔۔۔جب سکوت حد ادب سے گزرنے لگا تو علیہ حضرت نے سنا کہ صائمہ بیگم سر سے پاؤں تک کرشمہ الٰہی ہے،لیکن آنکھوں کی بے پناہی زمین و آسمان کے درمیان اپنی مثال نہیں رکھتی۔۔۔سورج شاہ برج سے رخصت ہو کر اجازت مانگ رہا تھا کہ علیہا حضرت ثانی کا غلغلہ بلند ہوا۔خوش خبری سنائی گئی کہ سفارش خاص پر نواب صائمہ بیگم رات کے کسی پہر قلعہ مبارک میں جلوس فرمائیں گی۔''

''ظل الٰہی نے اس خبر کو کس طرح قبول فرمایا۔''

''مابدولت نے غسل فرمایا۔۔۔نیا لباس زیب تن کیا۔۔۔نئے جواہر سے آراستہ ہوئے۔۔۔اور خاصہ تناول فرمایا۔۔۔داروغۂ چاندنی خانہ کو حکم ہوا کہ ارک معلیٰ کا چپہ چپہ روشنی میں غرق کر دے۔''

''داروغۂ بیوتات کو فرمان ملا کہ ذرہ ذرہ مشک و عنبر سے معطر کر دے اور داروغۂ جواہر خانہ کو پروانہ پہنچا کہ شاہ برج کے طاق جواہرات سے لبریز کر دے۔قلعہ دار کو مطلع کیا گیا کہ نواب صائمہ بہادر کی سواری کو نوبت خانے کی سیڑھیوں تک آنے کی اجازت عطا ہو۔احکامات کی تعمیل ہو چکی تھی اور مابدولت انتظار کے تخت پر جلوہ افروز تھے۔''

''ظلِ اللہ کے دہن مبارک سے انتظار کا لفظ عطا ہوکر کنیز کی سماعت پر اس طرح گرتا ہے جیسے طاؤس پر عقاب۔''

''مقربین بارگاہ نے تہنیت دی کہ حضرت نواب صائمہ بیگم بہادر کی سواری نوبت خانے کی سیڑھیوں پر لگادی گئی۔۔۔ چوبداروں کی آوازوں پر ملاحظہ فرمایا کہ وہ سیاہ سوتی برقعہ پر بھاری نقاب ڈالے، دونوں بازوؤں پر عورتوں کا سہارا لیے ہاتھوں میں ایک سرخ پیالہ سنبھالے آہستہ آہستہ آرہی ہے۔ نقیب خاص کی آواز پر عورتوں نے اس کے بازو چھوڑ دیے اور وہ کورنش ادا کرنے کے بجائے گھٹنوں پر گر پڑی، کانپتے ہاتھوں سے دراز ہوکر پیالہ تخت کی طرف بڑھا دیا۔۔۔ مابدولت تخت سے اتر پڑے دستگیری عطا کرنے کے بجائے اس کی نذر قبول کی۔۔۔ پیالہ ہاتھ میں آیا تو بیگم۔۔۔ جیسے آنکھوں سے بصارت چلی گئی۔''

''جہاں پناہ۔''

''پیالے میں اس کی آنکھیں تڑپ رہی تھیں۔''

''ظلِ الٰہی۔''

''ہاں بیگم اس کی آنکھوں کے دیدے پیالے میں رکھے تھے۔۔۔ شہنشاہ کی پوری عمر میں آداب شہنشاہی کبھی اتنے بھاری نہ معلوم ہوئے۔۔۔ تاہم انھوں نے اس کا نقاب اٹھادیا۔۔۔ آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے جن سے خون رس رہا تھا۔ زرد سنگ مرمر سے تراشا ہوا چہرہ ساکت تھا۔ پائے مبارک میں جیسے کسی نے زنجیریں ڈال دیں۔''

''نصیب دشمناں۔''

''صرف اس قدر ادا ہو سکا کہ نواب صائمہ بیگم بہادر نے یہ کیا کرلیا۔''

آواز آئی

''شہنشاہوں کی پسند غریبوں کو زیب نہیں دیتی۔ ناچیز کی آنکھیں جہاں پناہ کو پسند آگئیں۔۔۔ نذر میں گزار دی گئیں۔۔۔ کل کی گلوریوں کی طرح قبول فرمالیجیے۔'' سر سے پاؤں تک آنسوؤں میں پروئی ہوئی ہماری اجنبی آواز ایک ایک طبیب کا دامن سماعت پکڑ کر فریادی ہوئی۔۔۔ لیکن بیگم۔''

''ظلِ الٰہی۔''

''جب بھی تنہائی باریاب ہوتی ہے۔۔۔ جہانگیر کی پیٹھ پر اس آواز کے تازیانے برسنے لگتے ہیں۔۔۔ آنکھوں میں وہ زندہ دیدے انگاروں کی طرح دہکنے لگتے ہیں۔۔۔ کاش وہ زندہ رہتی تو جہانگیری محل اس کو تفویض کردیا جاتا، اس کی دلداری اور دلآسائی کی جاتی تو شاید اس چوٹ کی تڑپ کم ہوجاتی بیگم۔''

''جہاں پناہ۔''

''ایک جام اور عطا کردیجیے کہ سماعت جلنے لگی ہے اور بصارت دہکنے لگی ہے۔''

پریم چند

معافی

مسلمانوں کو اسپین پر حکومت کرتے صدیاں گزر چکی تھیں۔ کلیساؤں کی جگہ مسجدوں نے لے لی تھی۔ گھنٹوں کی بجائے اذان کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ غرناطہ اور الحمرا میں وقت کی چال پر ہنسنے والے وہ قصر تعمیر ہو چکے تھے، جن کے کھنڈرات اب تک دیکھنے کو اپنی گذشتہ عظمت کا اندازہ کروا دیتے ہیں۔ عیسائیوں کے باوقار مرد اور عورتیں مسیح کا دامن چھوڑ کر اسلام کے سائے میں پناہ لے رہے تھے۔ اور مؤرخ اس بات پر حیران ہیں کہ اب تک وہاں عیسائیوں کا نام ونشان کیونکر باقی رہا۔ جو عیسائی رہنما مسلمانوں کے سامنے اب تک سر نہ جھکاتے تھے اور اپنے ملک کی آزادی کے خواب دیکھ رہے تھے، ان میں سے ایک سوداگر داؤد بھی تھا۔ داؤد با حوصلہ اور روشن دماغ تھا۔ اپنے علاقہ میں اس نے اسلام کو قدم نہ رکھنے دیا تھا۔ بے آسرا اور غریب باغی عیسائی ملک کے کونہ کونہ سے بھاگ کر اس کی پناہ میں آتے اور وہ بڑی فراخدلی سے اس کی غور و پرداخت کرتا۔ مسلمان داؤد سے خائف رہتے تھے۔ وہ مذہبی فوقیت سے اس پر بس نہ چلتا دیکھ کر قوت کے بل پر اسے جیتنا چاہتے تھے۔ لیکن داؤد کبھی اس کا سامنا نہ کرتا۔ ہاں جہاں عیسائیوں کے مسلمان ہونے کی خبر پاتا آندھی کی طرح اڑ کر وہاں پہنچتا اور انہیں اپنے مذہب پر مضبوط رہنے کی تلقین کرتا۔ آخر میں مسلمانوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر کر گرفتار کرنے کی ٹھانی۔ فوجوں نے اس کے علاقہ کا محاصرہ کر لیا۔ داؤد کو زندگی بچانے کے لئے اپنے ساتھیوں سمیت بھاگنا پڑا۔ وہ گھر سے فرار ہو کر مسلمانوں کی راج دھانی غرناطہ میں آ گیا اور بالکل الگ تھلگ رہ کر اچھے دنوں کے انتظار میں زندگی بسر کرنے لگا۔ مسلمانوں نے اس کی تلاش میں دن رات ایک کر دئے۔ بھاری انعام مشتہر کے گئے لیکن کہیں بھی سراغ نہ مل سکا۔

﴿۲﴾

ایک دن تنہائی کی وحشت سے اکتا کر داؤد باغ میں گھومنے نکل گیا۔ شام ہو چکی تھی۔ مسلمان نیچی قبائیں پہنے بڑے بڑے عمامے سر پر باندھے کمر سے تلوار لٹکائے روشوں پر ٹہل رہے تھے۔ عورتیں سفید برقعے اوڑھے زری کی جوتیاں پہنے بنچوں اور کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ داؤد سب سے الگ ہو کر ایک طرف ہری ہری گھاس پر لیٹا سوچ رہا تھا کہ وہ دن کب آئیگا جب ہمارا ملک ان سفاکوں کے پنجہ سے چھوٹے گا۔ اس کے تصور میں وہ وقت اترتا آ رہا تھا۔ جب عیسائی عورتیں اور مرد ان روشوں پر آزادانہ ٹہلتے ہوں گے۔ جب یہ خطہ عیسائیوں کے باہمی میل جول اور ربط وضبط سے گلزار ہو جائے گا۔

اچانک ایک مسلمان نوجوان اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا، گستاخ نگاہوں سے اُسے دیکھ کر بولا۔

کیا ابھی تک تمہارا دل اسلام کی روشنی سے منور نہیں ہوا؟

داؤد نے انتہائی متانت سے کہا

اسلام کی روشنی اونچی چوٹیوں کو روشن کرسکتی ہے گہرے غاروں میں سے اس کا گزر نہیں۔اس نوجوان کا نام جمال تھا اتنا گہرا طنز سن کر تیکھے انداز میں بولا

اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟

داؤد میرا مطلب یہی ہے کہ عیسائیوں میں جو لوگ اونچے درجہ کے ہیں وہ جاگیروں اور سرکاری عہدوں کی ترغیب اور سزا کے خوف سے اسلام قبول کر سکتے ہیں۔لیکن کمزور اور مفلس عیسائیوں کے لئے اسلام میں وہ آسمانی بادشاہت کہاں جو حضرت مسیح کے دامن میں انہیں نصیب ہوگی۔اسلام کی تبلیغ تلوار کی نوک سے ہوتی ہے،خدمت کے جذبہ سے نہیں۔

جمال اپنے مذہب کی توہین سن کر بھنا اٹھا،گرم ہو کر بولا۔

یہ بالکل غلط ہے۔اسلام کی قوت اس کی رواداری اور مساوات ہے۔تلوار کی طاقت نہیں۔

اسلام نے مذہب کے نام پر جس قدر خون بہایا ہے اس میں سبھی مسجدیں غرق ہوسکتی ہیں۔

تلوار نے ہمیشہ سچ کی حفاظت کی ہے۔

داؤد نے اس انداز میں جواب دیا جس کو تلوار کا سہارا لینا پڑے وہ صداقت ہرگز نہیں ہوسکتی۔

جمال قوی غرور سے بے قرار ہو کر بولا،خدا کی قسم اگر تم نہتے نہ ہوئے تو تمہیں اسلام کی توہین کرنے کا مزا چکھا دیتا۔

داؤد نے اپنے سینے میں چھپی ہوئی کٹار نکال کر کہا۔

نہیں! میں نہتا نہیں ہوں،مسلمانوں پر جس روز اتنا اعتبار کروں گا اس روز عیسائی نہ رہوں گا۔تم اپنے دل کے ارمان نکال لو۔

دونوں نے تلواریں سونت لیں۔ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔عرب کی بھاری تلوار عیسائی کی ہلکی کٹار کے سامنے سست پڑ گئی۔ ایک سانپ کی طرح پھن سے چوٹ کرتی۔دوسری ناگن کی مانند اڑتی،ایک لہروں کی طرح لپکتی تھی تو دوسری بالکل مچھلیوں کی مانند چمکتی۔ دونوں لڑاکوں میں کچھ دیر تک چوٹیں ہوئیں یکبارگی ناگن لپک کر عرب کے سینہ میں جا پہنچی وہ زمین پر گر پڑا۔

﴿۳﴾

جمال کے گرتے ہی چاروں طرف سے لوگ دوڑے۔وہ داؤد کو گھیرنے کی کوشش کرنے لگے۔داؤد نے دیکھا لوگ تلواریں لئے لپکے آرہے ہیں۔وہ جان بچا کر بھاگا۔لیکن جس طرف جاتا سامنے باغ کی دیوار آکر روک لیتی۔دیوار اونچی تھی اور اسے پھاندنا بے حد مشکل۔یہ زندگی اور موت کی کشمکش تھی،کہیں پناہ نہیں مل سکتی اور نہ ہی چھپنے کے لئے کوئی جگہ۔ادھر عربوں کے انتقام کا جذبہ لحمہ بہ لحمہ بڑھتا جارہا تھا۔یہ محض ایک قاتل کو سزا دینے کا سوال نہ تھا بلکہ قومی وقار کا مسئلہ تھا۔مفتوح عیسائی کی یہ ہمت کہ عرب پر ہاتھ اُٹھائے!

......ایسا ظلم!

جس طرح تعاقب کرنے والے کتوں کے سامنے گلہری ادھر اُدھر دوڑتی ہے کسی درخت پر چڑھنے کی بار بار کوشش کرتی ہے لیکن ہاتھ پاؤں پھسل جانے کے باعث ہر مرتبہ گر پڑتی ہے، یہی حالت داؤد کی تھی۔

دوڑتے دوڑتے اس کا سانس پھول گیا۔ پاؤں من من بھر کے ہو گئے۔ کئی بار دل میں آیا پلٹ کر سب پر ٹوٹ پڑے۔ جتنی گراں زندگی دے سکتا ہے دے، لیکن دشمن کی تعداد دیکھ کر حوصلہ گر جاتا۔

لینا، پکڑنا اور دوڑنا کا شور برپا تھا۔ کبھی کبھی تعاقب کرنے والے اس قدر قریب آجاتے کہ جنگ ختم ہوتی نظر آتی، تلوار کا وار پڑتا نظر آتا۔ لیکن پاؤں کی ایک ہی زقند اور چال اسے خون کی پیاسی تلواروں سے بار بار بچا لیتی۔

داؤد کی اس لڑائی میں کھلاڑیوں کا سا لطف آنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ اس کی زندگی نہیں بچ سکے گی۔ مسلمان رحم کرنا نہیں جانتے۔ اس لئے اسے ان داؤ پیچوں میں مزا آرہا تھا۔ کسی وار سے بچ کر اسے اس بات کی خوشی نہ ہوتی کہ اس نے قاتل کو کیسا چکمہ دیا۔

اچانک اسے اپنی دائیں طرف باغ کی دیوار کچھ نیچی نظر آئی۔ آہ! یہ دیکھتے ہی اس کے پاؤں میں نئی قوت عود کر آئی۔ لوگوں میں نیا خون دوڑنے لگا۔ وہ ہرن کی طرح اس طرف دوڑا اور ایک جست میں دیوار پھاند کر باغ کے اس پار جا پہنچا۔ زندگی اور موت میں صرف ایک قدم کا فاصلہ تھا۔ پیچھے موت تھی اور ایک قدم آگے زندگی کا وسیع میدان تا حد نظر جھاڑیاں ہی جھاڑیاں نظر آتی تھیں۔ زمین پتھریلی اور اونچی نیچی تھی۔ قدم قدم پر پتھر کی سلیں پڑی تھیں۔ داؤد ایک سل تلے چھپ کر بیٹھ گیا۔

ایک لمحہ میں تعاقب کرنے والے وہاں بھی آپہنچے اور ادھر ادھر جھاڑیوں میں، درختوں پر، گڑھوں میں، سلوں تلے تلاش کرنے لگے۔ ایک عرب اسی چٹان پر آ کھڑا ہوا جہاں داؤد چھپا بیٹھا تھا۔ داؤد کا سینہ دھک دھک کر رہا تھا۔ اب جان گئی۔ عرب نے ذرا نیچے کو جھانکا اور زندگی ختم، تقدیر کے الٹ پھیر پر ہی اس کی زندگی کا انحصار تھا۔ داؤد نے سانس روک لی۔ سناٹا طاری ہو گیا۔ ایک نظر پر ہی اس کی زندگی کا دار و مدار تھا لیکن عربوں کے لئے اس وقت کہاں کہ اطمینان سے سلوں تلے جھانکتے پھریں۔ وہاں تو ہتھیار تھامنے کی جلدی تھی۔ داؤد کے سر سے بلا ٹل گئی۔ وہ ادھر ادھر دیکھ بھال کر آگے چل دئے۔

(۴)

اندھیرا ہو گیا۔ آسمان پر تارے نکل آئے اور ان کے ساتھ ہی داؤد بھی سیل سے باہر نکل آیا۔ لیکن دیکھا تو اس وقت بھی ہلچل مچی تھی۔ عرب بھاری تعداد میں مشعلیں لئے ادھر ادھر جھاڑیوں میں گھوم رہے تھے۔ باہر نکلنے کے تمام راستے مسدود ہو چکے تھے۔ اب جائے تو کہاں ......؟ واود ایک درخت تلے کھڑے ہو کر سوچنے لگا کہ اب جان کیونکر بچے۔ اسے اپنی جان کی زیادہ پرواہ نہ تھی۔ وہ زندگی کے دکھ سکھ اٹھا چکا تھا۔ اگر اسے زندگی سے پیار تھا تو صرف یہی دیکھنے کے لئے کہ اس لڑائی کا نتیجہ کیا ہوگا؟ میرے ہم وطن حوصلہ چھوڑ دیں گے یا ثابت

قدمی سے لڑائی میں لگے رہیں گے۔

جب رات زیادہ گزر گئی اور دشمن کی مشقیں نہ ہوس کسی طرح بھی کم ہوتی نظر نہ آئی تو داؤد خدا کا نام لے کر وہاں سے کھڑا ہوا اور دبے قدموں درختوں کی آڑ لیتا، آدمیوں کی نظر بچا کر ایک طرف کو چلا۔ وہ اب ان جھاڑیوں میں سے نکل کر آبادی میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ ویرانہ کسی کو بھی نہیں پناہ دے سکتا۔ بستی کی رونق بجائے خود آسرا ہے۔

کچھ دور تک تو اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ آئی۔ جنگل کے درختوں نے اس کی حفاظت کی۔ لیکن جب وہ ان جھاڑیوں سے نکل کر صاف دھرتی پر آیا تو ایک عرب کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ ان نے للکارا، داؤد بھاگا...... قاتل بھاگا جاتا ہے۔

یکبارگی یہ آواز ہوا میں گونجی اور ایک لمحہ میں ہی چاروں طرف سے عربوں نے اس کا پیچھا کیا۔ سامنے بہت دور تک آبادی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ کافی فاصلے پر ایک مدھم سا دیا ٹمٹما رہا تھا۔ کسی طرح وہاں پہنچ جاؤں۔ وہ اس طرح اُڑا جا رہا تھا جیسے دئے کے قریب پہنچتے ہی بالکل محفوظ ہو جائے گا۔ امید اسے بھگائے لئے جا رہی تھی۔ عربوں کا ہجوم پیچھے رہ گیا۔ مشعلوں کی روشنی بھی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ محض تارے ہی اس کے تعاقب میں بھاگے چلے آ رہے تھے۔ آخر وہ اس امید پر دئے کے قریب آ ہی گیا۔ ایک چھوٹا سا پھونس کا مکان تھا۔ ایک بوڑھا عرب سامنے قرآن رکھے چراغ کی مدھم روشنی میں اسے پڑھ رہا تھا۔ داؤد آگے نہ جا سکا۔ اس کی ہمت نے جواب دے دیا۔ وہ تھک کر وہیں گر پڑا، راہ کی تھکن گھر پہنچنے پر معلوم ہوتی ہے۔

عرب نے پوچھا، تو کون ہے؟

ایک غریب عیسائی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ اب آپ ہی پناہ دیں تو میں بچ سکتا ہوں۔

خدا پاک تیری مدد کریں گے۔ تجھ پر کیا مصیبت پڑی ہے۔

داؤد نے لجاجت سے کہا، ڈرتا ہوں اگر میں نے کہہ دیا تو کہیں آپ بھی میرے خون کے پیاسے نہ ہو جائیں۔

جب تو میری پناہ میں آ گیا ہے تو تمہیں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم مسلمان ہیں۔ جسے ایک مرتبہ پناہ میں لے لیتے ہیں اس کی زندگی بھر حفاظت کرتے ہیں۔

میں نے ایک مسلم نوجوان کو قتل کر دیا ہے۔

یہ سنتے ہی عرب کا چہرہ بگڑ گیا۔ بولا کیا نام تھا اس کا؟

اس کا نام جمال تھا۔

عرب سر تھام کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ گردن کی رگیں تن گئیں، چہرہ پر غیر معمولی جلال دوڑ گیا، نتھنے پھڑکنے لگے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے ذہن میں خوفناک کشمکش جاری ہے اور وہ پوری قوتوں سے ذہنی مد و جزر کو دبا رہا ہے۔ دو تین منٹ تک وہ

اسے یونہی بت بنا بیٹھا تاکتا رہا، پھر مبہم سے لہجہ میں بولا۔

نہیں نہیں، پناہ میں آئے ہوئے کی حفاظت کرنی ہی پڑے گی۔ آہ ظالم! تو جانتا ہے میں کون ہوں؟ میں اسی نوجوان کا بدقسمت باپ ہوں جسے تو نے بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تو جانتا ہے، تو نے مجھ پر کس قدر ظلم کیا ہے، تو نے میرے خاندان کا نشان مٹا دیا۔ میرا چراغ گل کر دیا۔ آہ! جمال، میرا اکلوتا بیٹا تھا، میری زندگی کی سبھی تمنائیں اسی سے وابستہ تھیں۔ وہی میری آنکھوں کا اُجالا، مجھ اندھے کا سہارا۔ میری بے خول زندگی کی روح اور میرے بوڑھے جسم کی زندگی تھا۔ ابھی ابھی اُسے قبر کے گود میں ملا کر آیا ہوں۔ آہ! میرا شیر خاک تلے سو رہا ہے۔ ایسا دلیر، ایسا فیاض، ایسا سجیلا، میری قوم میں اور کوئی دوسرا نہ تھا۔ ظالم! تجھے اس پر تلوار چلاتے ذرا بھی ترس نہ آیا۔ تیرا پتھر کا سینہ ذرا بھی نہ پسیجا؟ تو جانتا ہے، مجھے اس وقت تجھ پر کس قدر غصہ آ رہا ہے؟ میرا دل چاہتا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے تیری گردن دبوچ کر اس زور سے دباؤں کہ تیری زبان باہر آ جائے اور آنکھیں کوڑیوں کی طرح نکل پڑیں۔ لیکن نہیں تو نے میری پناہ لی ہے۔ اس وقت فرض میرے ہاتھ باندھے ہوئے ہے۔ رسول پاک ؐ کی ہدایت کے مطابق پناہ میں آئے پر ہاتھ اُٹھانے سے قاصر ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ نبی پاک ؐ کے حکم کو توڑ کر دنیا کے ساتھ ساتھ اپنی عاقبت بھی بگاڑ لوں...... دنیا نے تباہ کی، عاقبت اپنے ہاتھوں کھودوں، نہیں...... صبر کرنا مشکل ہے لیکن صبر کروں گا، تاکہ نبی ؐ کے سامنے آنکھیں نیچی نہ کرنی پڑیں۔ آ...... گھر میں آ...... تیرے پیچھے آنے والے وہ بھاگے آ رہے ہیں۔ تجھے دیکھ لیں گے تو میری منت سماجت بھی تجھے نہ بچا سکے گی۔ تو نہیں جانتا کہ عرب لوگ خون کبھی نہیں معاف کرتے۔

یہ کہہ کر عرب نے داؤد کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے گھر لے جا کر ایک کوٹھری میں چھپا دیا۔ وہ گھر سے باہر نکلا ہی تھا کہ عربوں کا ایک گروہ اس کے مکان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

ایک آدمی نے پوچھا، کیوں شیخ حسن تو نے ادھر سے کسی کو بھاگتے دیکھا ہے؟

ہاں! دیکھا ہے۔،

اسے پکڑ کیوں نہ لیا! وہی جمال کا قاتل تھا۔ یہ جان کر بھی میں نے اُسے چھوڑ دیا۔

ایں اغضب خدا کا یہ تم نے کیا کیا؟ جمال حساب کے روز ہمارا دامن پکڑے گا تو ہم کیا جواب دیں گے؟

عرب نے کبھی قاتل کا خون معاف نہیں کیا۔

یہ تمہاری ذمہ داری ہے میں اپنے سر کیوں لوں؟

عربوں نے شیخ حسن سے زیادہ حجت نہ کی اور قاتل کی تلاش میں دوڑ پڑے۔ شیخ حسن پھر چٹائی پر بیٹھ کر قرآن پڑھنے لگا۔ لیکن اس کا دل پڑھنے میں نہ لگا۔ دشمن سے بدلہ لینے کی خواہش عرب کی فطرت کا حصہ ہے۔ خون کا بدلہ خون ہے۔ اس کے لئے لہو کی ندیاں بہ جاتی تھیں۔ قبیلے کے قبیلے مر مٹتے تھے۔ شہر کے شہر ویران ہو جاتے۔ اس عادت پر قابو پانا شیخ حسن کو ناممکن نظر آیا۔ بار بار پیارے بچے کی

صورت آنکھوں میں آ جاتی۔عرب بہادر ہوتے ہیں۔ان کے لئے مارنا اور کاٹنا کوئی نئی بات نہ تھی۔مرنے والے کے لئے آنسو کی چند بوندیں بہا کر وہ پھر اپنے کام میں لگ جاتے۔وہ متوفی کی یاد کو صرف اس صورت میں ذہن نشین رکھتے تھے جب اس کا بدلہ لینا ہوتا تھا۔آخر میں شیخ حسن بھی بے قرار ہوا ٹھا۔اس کو اندیشہ ہوا کہ اب میں خود پر قابو نہیں رکھ سکوں گا۔اس نے تلوار میان سے نکالی اور دبے پاؤں دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا جس میں داود چھپا ہوا تھا۔تلوار کو دامن میں چھپا کر اس نے آہستگی سے کواڑ کھولے۔داؤد ٹہل رہا تھا۔بوڑھے کے منتقمانہ چہرہ کو دیکھ کر داؤد اس کے دلی جذبات بھانپ گیا۔اسے بوڑھے سے ہمدردی سی ہو گئی۔اس نے سوچا یہ مذہب کا قصور نہیں۔ میرے بچے کی اگر کسی نے ہتیا کی ہوتی تو میں بھی یونہی اس کے خون کا پیاسا ہو جاتا۔انسانی فطرت کا تقاضا یہی ہے۔

عرب بولا: داود تمہیں معلوم ہے بیٹے کی موت کا غم کس قدر گہرا ہوتا ہے؟ محسوس تو نہیں ہو سکتا۔البتہ اندازہ کر سکتا ہوں۔اگر میری زندگی سے اس غم کا کیا جزو بھی مٹ سکے تو لیجئے یہ سر حاضر ہے۔میں اسے شوق سے آپ کی نذر کرتا ہوں۔آپ نے داؤد کا نام سنا ہو گا؟

جی ہاں میں وہی بدنصیب ہوں۔میں محض آپ کے بیٹے کا قاتل ہی نہیں اسلام کا بھی دشمن ہوں۔میری جان لے کر آپ جمال کے خون کا بدلہ لیں گے۔اپنی قوم اور مذہب کی حقیقی خدمت بھی کریں گے۔

شیخ حسن نے متانت سے کہا۔داؤد میں نے تمہیں معاف کیا۔میں جانتا ہوں کہ مسلمانوں کے ہاتھوں عیسائیوں کو بہت سی تکالیف پہنچی ہیں۔مسلمانوں نے ان پر بے شمار ظلم کئے ہیں۔ان کی آزادی چھین لی ہے۔لیکن یہ اسلام کا نہیں ،مسلمانوں کا قصور ہے۔فتح کی نخوت نے ان کی عقل اور احساس چھین لئے ہیں۔

ہمارے مقدس نبیؐ نے یہ تعلیم نہیں دی تھی۔جس پر ہم آج کل چل رہے ہیں۔وہ خود رحم اور فیض کا معیار ہے۔میں اسلام کے نام کو بٹہ نہ لگاؤں گا۔میری سانڈنی لے لو اور رات بھر میں ہی یہاں سے بھاگ جاؤ......

بھاگو!......جاؤ......!خدا پاک تمہیں......

کہیں ایک لمہ کے لئے بھی نہ رکنا۔عربوں کو تمہاری بو بھی مل گئی تو تمہاری خیر نہیں جاؤ! خدا پاک تمہیں گھر بخیریت پہنچائے۔ بوڑھے شیخ حسن اور اس کے بیٹے جمال کے لئے خدا سے دعا کرنا۔

فیاض قریشی

لاوا جو پھوٹ پڑا

کہنے کو تو احمد حسین کی تنخواہ دو ہزار روپے تھی۔ مگر شاید ہی یہ پوری رقم کسی وقت ان کے ہاتھ لگی ہو۔ آج بھی تنخواہ کے بعد ان کے ہاتھ میں صرف ایک ہزار روپے تھے۔ پورے ایک ہزار روپے۔ انشورنس، پراویڈنٹ فنڈ اور لون اور مختلف قرضوں میں وضع ہو چکے تھے۔ ویسے ہی پریشانی کیا کم تھی کہ رہ رہ کر انہیں اپنی بیوی کا دیا ہوا حکم کہ تنخواہ کے بعد اس کے لئے ریشمی ساڑی خرید لائیں ان کے کانوں میں گونج رہا تھا۔ اور اس نے وارننگ بھی دی تھی کہ اگر وہ ساڑی خریدے بغیر گھر آئیں تو ان کے لئے اس سے برا کوئی نہ ہوگا۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ احمد حسین کے لئے دنیا میں کوئی برا تھا تو وہ تھی ان کی بیوی۔ اس تصور کے ساتھ ہی کہ وہ اگر ساڑی خریدے بغیر گھر چلے گئے تو کیا کچھ نہ ہوگا۔ ان کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتے تھے، مگر پڑوسیوں کے آگے اپنی بیوی سے ذلت سہنا ان کے بس سے باہر تھا۔ انہیں رہ رہ کر وہ واقعہ یاد آ رہا تھا کہ جب بیوی نے انہیں ایک دن باٹا کے سینڈل لیتے آنے کی فرمائش کی تھی۔ مگر جیب خالی رہنے کی وجہ وہ یونہی گھر لوٹ آئے تھے۔ اور انہیں خالی ہاتھ دیکھ کر بیوی نے جو ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا اور جو ذلت انہوں نے پڑوسیوں کے آگے اٹھائی تھی وہ ذلت انہیں اب بھی تازہ لگ رہی تھی۔ ایسی حالت میں کیا کیا جائے، ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ویسے ہی اس ماہ کے اخراجات سے نمٹنے کے لئے ہاتھ لگی تنخواہ کے علاوہ انہیں پانچ سو روپیوں کی ضرورت تھی۔ اگر اس میں سے ریشمی ساڑی کے لئے چار سو روپے نکل گئے تو باقی چھ سو روپیوں میں کیا ہوگا، جب کہ کرایہ بھی انہیں ساڑھے تین سو روپے میں ادا کرنا ہے۔ باقی اخراجات کس طرح پورے ہوں گے۔ دوکان کا قرض، بچوں کی کتابیں اور فیس۔ بجلی کا بل۔ دودھ۔ لکڑی اور دوسرے کئی اخراجات کے ساتھ ہاتھ بدل لئے ہوئے قرضوں کی ادائیگی کیسے ہوگی۔ وہ بار بار سوچ رہے تھے۔ مگر گھوم پھر کر ان کی سوچ بیوی کی فرمائش پر آ کر رک جاتی تھی۔

شریف انسان اکثر ڈرپوک ہوا کرتے ہیں اور احمد حسین شریف ڈرپوک تھے۔ وہ اپنی بیوی سے اس قدر ڈرتے تھے کہ اگر اس نے ٹھنڈے پانی کو گرم کہہ دیا تو ان کی مجال نہیں تھی کہ اس پانی کو ٹھنڈا کہیں۔ صبح کا وقت تھا۔ سردی زوروں کی پڑ رہی تھی۔ انہوں نے ایک دن منہ دھونے کے لئے گرم پانی طلب کیا۔ اور اس کے کہنے پر کہ گرم پانی حمام میں رکھ دیا گیا ہے، وہ حمام میں پہنچے اور جب پانی میں ہاتھ ڈالا تو ایک سرد لہر سی ان کے سارے جسم میں دوڑ گئی۔ مگر اب ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ بیوی کو جھٹلا سکیں۔ اور اس طرح کے واقعات ان کے لئے معمول سے ہو گئے تھے۔ وہ بیوی سے پوری طرح تنگ آ چکے تھے...... مگر اس کی غلطی پر اسے ڈانٹ دیں یا کچھ کہیں یہ بات ان کے بس کے باہر تھی۔ ڈانٹنا تو دور رہا، اگر بیوی انہیں ڈانٹنا شروع کر دیتی تو وہ مجرم بنے کھڑے ہو جاتے تھے۔

اس طرح کا ایک واقعہ ہے۔ ایک شام جب وہ تھکے ماندے دفتر سے گھر لوٹے تو یہ دیکھ کر کہ بیوی اور ان کے پڑوسیوں کے

درمیان ہاتھا پائی ہوا ہی چاہتی ہے۔فوراًانہوں نے مداخلت کی اور معاملہ کوسلجھانے کی کوشش میں لگ گئے۔مگر بیوی چاہتی تھی کہ وہ اُس کی پشت پناہی اسی طرح کریں جس طرح ان کا پڑوسی اپنی بیوی کی کر رہا ہے۔مگر وہ اچھی طرح جان چکے تھے کہ لڑائی میں ساری غلطی اپنی بیوی کی ہے۔لہذا وہ پشت پناہی سے گریز کر رہے تھے۔اور جب بیوی نے دیکھا کہ اسے اپنے خاوند کی کوئی مدد نہیں مل رہی ہے تو اس نے اپنے پڑوسیوں کوتو بخش دیا اور احمد حسین کو ایسے لتاڑا کہ وہ پڑوسیوں کے آگے پانی پانی ہوکر رہ گئے۔اور یہی وجہ تھی کہ آج تنخواہ لینے کے بعد جہاں انہیں بہت سی پریشانیاں تھیں، وہاں بیوی کی فرمائش سب سے بڑی پریشانی بنی ہوئی تھی۔اور بہت دیر تک غور کرنے کے بعد انہوں نے ساڑی خریدنے کا فیصلہ کرلیا۔

سکون، احمد حسین کی زندگی سے خارج ہوگیا تھا۔مگر بیوی کی فرمائش اور فضول خرچی تھی کہ برابر بڑھ رہی تھی۔ایک دن دفتر میں وہ کوئی فائل دیکھ رہے تھے کہ ڈاکیہ نے ایک لفافہ ان کی جانب بڑھایا۔اور جب انہوں نے اسے کھوکر پڑھا تو ان کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔پچھلے دوسال سے وہ مہاجن کے ایک ہزار روپے کی نوٹس ملنے کے باوجو ادا نہ کر سکے تھے اور اس نے مقدمہ دائر کر دیا تھا۔کورٹ میں ان کو طلب کیا گیا تھا۔وہ سر تھام کر بیٹھ گئے۔تھوڑی دیر بعد اپنی بدحواسی پر قابو پایا تو بہت دیر سوچنے کے بعد فیصلہ کیا کہ بیوی کی وہ سونے کی زنجیر جو کوئی چار سال پیشتر اس کی فرمائش پرانہوں نے اسے بنا کر دی تھی، اسے رہن رکھ کہ مقدمہ کی بے عزتی سے جان چھڑائیں گے۔مگر جب گھر پہنچ کر اپنی مراد بیوی کے سامنے رکھی تو انہیں منہ کی کھانی پڑی۔اس نے انہیں کچھ ایسے آڑے ہاتھوں لیا کہ وہ سٹ پٹا کر گھر سے باہر نکل گئے اور کئی روز کی مسلسل دوڑ دھوپ کے بعد روپیوں کا بندوبست کیا اور مقدمہ سے جان چھڑائی۔

گھر کے بڑھتے ہوئے اخراجات، بچوں کی پڑھائی کا بار، بیوی کے بے جا اخراجات اور فضول خرچی کے ساتھ ساتھ ہر وقت پڑوسیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا۔ان سب باتوں نے احمد حسین کو نیم پاگل بنا دیا تھا۔وہ گھر کے حالات سے نمٹتے نمٹتے تھک چکے تھے۔اور ایک دن انہوں نے ہمت کر کے بیوی سے کہا:

'' زینب اب پریشانیاں مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں۔ذرا سوچو کہ یہ میرے لئے کتنی شرم کی بات ہے کہ میں نے قرض کے لئے اپنے ماتحتوں کے آگے تک ہاتھ پھیلا دیئے ہیں۔''

اکھڑپن سے زینب نے کہا۔''پر یہ سب مجھے سنانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''اگر میں تمہیں نہ سناؤں تو کس کو سناؤں۔جب تک کہ تم فضول خرچی اور بے جا اخراجات سے باز نہیں آ ؤ گی، مجھے کیسے سکون نصیب ہوسکتا ہے۔آج ہی کی بات لے لو۔صبح سویرے بھیا دودھ کی تین ماہ کی باقی وصول کرنے کے لئے لڑائی پر آمادہ ہوگیا تھا۔اسے روپے ادا کرنے کی تمہیں فکر نہ ہوئی۔بلکہ تم اب میٹنی شو میں جانے کی تیاری کر رہی ہو۔اب تم ہی بتاؤ کہ جب تک کہ تم میرا ساتھ نہیں دیتیں میری پریشانیوں کو اپنی پریشانیاں نہیں سمجھتیں، میں اکیلا کہاں تک ہاتھ پیر مار سکتا ہوں۔میری تنخواہ میں ٹھاٹھ کی نہ سہی ہم اطمینان کی

زندگی تو گزار سکتے ہیں۔مگر تمہاری فضول خرچی سے دن بدن میری مصیبتوں میں اضافہ ہی ہوتا جار ہا ہے''

گویا احمد حسین نے آج بیوی کو ہر طریقے سے راستہ پر لانے کی دل میں ٹھان لی تھی۔

انہوں نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

یہ رہی تمہاری فضول خرچی اور بے جا اخراجات کی بات۔دوسری طرف دیکھو تم پڑوسیوں سے............''

ابھی وہ اپنا جملہ پورا نہ کر پائے تھے کہ وہ چلا پڑی۔

''بند کیجئے بکواس، بہت سن چکی۔کیا نہیں جانتے تھے کہ شادی کے بعد اخراجات میں اضافہ ہوگا اور نئی ذمہ داریوں کو نبھانا ہوگا۔ اگر ذمہ داریوں کو نبھانے کا حوصلہ نہیں تھا تو پھر شادی کیوں کی؟......اور کان کھول کر سن لیجئے، میں اس گھر کی باندی نہیں ہوں۔''............ اور ساتھ ہی کہا۔''فرمائش اور فضول خرچی کی بھی خوب کہی۔''............پھر پوچھا''کیا کیا ہے آپ نے میرے لئے جو اس طرح جتاتے چلے جارہے ہیں؟''

اور حیران ہو کر احمد حسین پھٹی پھٹی نظروں سے اپنی بیوی کو دیکھنے لگے اور ادھر بیوی غصے سے سرخ ہوگئی تھی۔اس کی نس نس پھڑک اٹھی تھی اور منہ سے بہتے ہوئے جھاگ کے درمیان اس نے نہ صرف اپنے خاوند بلکہ ان کے سارے خاندان کو، ان کے مرحوم والدین سمیت کوس ڈالا۔احمد حسین بے بس ہوگئے۔اور جب وہ گھر سے باہر نکل رہے تھے تو ان کی آنکھیں ڈب ڈبا آئی تھیں۔

قرضوں اور پریشانیوں سے چھٹکارا اب ان کے لئے ناممکن سا ہوگیا تھا۔پریشانیوں کی چھاپ براہ راست ان کے دفتر کے کاموں پر پڑنے لگی۔ابتدا میں تو افسروں نے ان کی غلطیوں کو برداشت کر لیا۔مگر جب ان کی غلطیاں ان کی پریشانیوں کی طرح بڑھنے لگیں تو ایک دن ان کے افسر اعلیٰ نے انہیں طلب کیا اور ایک نوٹس ان کی طرف بڑھا دیا۔اور جیسے ہی انہوں نے نوٹس پڑھی وہ بری طرح پریشان ہوگئے۔ڈپارٹمنٹ کی طرف سے انہیں وارننگ دی گئی تھی کہ وہ جلد اپنی غلطیوں کو درست کر لیں۔ورنہ انہیں ملازمت سے برطرف کر دیا جائے گا۔نوٹس نے ان کے سارے اوسان خطا کر دئے۔ان کی راتوں کی نیندیں ہی غائب تھی اور اب افسروں کی وارننگ نے جلتی لکڑی پر تیل کا کام کیا۔کروٹیں بدلتے ہوئے وہ راتیں گزار رہے تھے کہ ایک رات اپنے پہلو میں انہیں خراٹوں کی آواز سینے پر سانپ سی لگی۔خراٹے سن کر ان کے اندر ایک ہوک سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی۔انہیں لگا جیسے ان کے اندر لاوا ہے، جو پھوٹ پڑنے کے لئے بے چین ہے۔وہ اپنی بے چینی کو کسی نہ کسی طرح دباتے رہے اور اسی حالت میں انہوں نے ساری رات کاٹ دی۔صبح سویرے وہ دفتر کے لئے تیاری کر رہے تھے کہ بیوی نے حکم دیا۔

''میں نے پچھلے ہفتہ شانتی لال سنار کے ہاں دس قسطوں میں چوڑیاں خریدنے کے لئے بات کر رکھی ہے۔اور آج تنخواہ ملنے کے بعد پہلی قسط ادا کر کے آپ چوڑیاں......................''

ابھی زینب اپنا جملہ پورا کرنہیں پائی تھی کہ ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح احمد حسین اس پر جھپٹ پڑے۔ پلٹ کر پوری قوت کے ساتھ ایسا بھر پور طمانچہ جمایا کہ زینب سنبھلنے کی کوشش کے باوجود سنبھل نہ سکی اوران سے چار قدم دور کونے میں گر پڑی اوراپنے خاوند کو دیکھ کر سہمی سہمی تھرتھرانے لگی۔ اُسے اپنے خاوند کی آنکھوں میں خون اترتا ہوانظر آیا۔خوف سے اس کی زبان خشک ہوگئی۔اوراحمد حسین اُسے شعلہ بار نظروں سے گھورتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئے۔

دفتر پہنچ کرانھوں نے بہت ہی اطمینان اور تسلی کے ساتھ کام کیااورشام میں جب حسب معمول گھر پہنچے تو گھر کا نقشہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔گھر کا صحن خلاف معمول بہت ہی پاک صاف تھا۔گھر کے اندر قدم رکھا تو مزید حیرت ہوئی۔یہاں پر بھی ہر چیز خلاف توقع قرینے سے رکھی ہوئی تھی۔بعدوہ اپنے کمرے میں پہنچےاور بیوی کوآواز دی۔مگر جواب میں کوئی آواز سنائی نہیں دی تو وہ گرجے۔

’’زینب!‘‘

اورزینب ہاتھ میں چاۓ کی پیالی لئے ہوئے ڈری ڈری اور سہمی ہوئی ان کے سامنے کھڑی تھی۔

مولانا محمد علی جوہر

دعائے اسیر

(اپنی عزیز بیٹی آمنہ کی علالت پر جس کی اطلاع جیل خانہ میں ملی)

میں ہوں مجبور، پر اللہ تو مجبور نہیں
تجھ سے میں دور سہی، وہ تو مگر دور نہیں

اُس رحمت سے جو مایوس ہو وہ کافر ہے
ہم تو کل سے کسی وقت بھی معذور نہیں

امتحان سخت سہی، پر دلِ مومن ہی وہ کیا
جو ہر اک حال میں امید سے معمور نہیں

صبر بھی شیوۂ مسلم ہے مگر شکر خدا
نورِ اسلام سے دل آج بھی بے نور نہیں

ہے دعا اور دوا فرض، ولے حکم خدا
ٹل سکے، یہ کسی بندے کا بھی مقدور نہیں

ہم کو تقدیر الٰہی سے نہ شکوہ نہ گلہ
اہل تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہیں

تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو
نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

اب دعا لب پہ بھی جاری ہو، اگرچہ اس سے
یوں بھی حال دل مضطر کبھی مستور نہیں

تو تو مردوں کو جلا سکتا ہے، قرآن میں کہا
تخرج الحی من المیت مذکور نہیں

تیری قدرت سے، خدایا، تیری رحمت نہیں کم
آمنہ بھی جو شفا پائے تو کچھ دور نہیں
باپ کے دل کو تو یوسف کی طرح ہے وہ عزیز
نہ سہی حسن میں گر خلق میں مشہور نہیں
یاں بھی ہے یوسف و یعقوب میں زنداں حائل
میں ہوں محصور اگر آپ وہ محصور نہیں
مرہم زخم جگر آج بھی ہے صبر جمیل
حزنِ فرقت سے مگر آنکھ میں اب نور نہیں
میری اولاد کو بھی مجھ سے ملا دے یا رب
تو ہی کہہ دے تری رحمت کا یہ دستور نہیں
شانِ رحمت مجھے دکھلا، کہ ہو تسکیں کا نزول
دل جو ہر ہے، یہ خدایا جبل طور نہیں

رشوت

جوش ملیح آبادی

لوگ ہم سے روز کہتے ہیں یہ عادت چھوڑیئے
یہ تجارت ہے خلاف آدمیت چھوڑیئے
اس سے بدتر لت نہیں ہے کوئی یہ لت چھوڑیئے
روز اخباروں میں چھپتا ہے کہ رشوت چھوڑیئے

بھول کر بھی جو کوئی لیتا ہے رشوت چور ہے
آج قومی پاگلوں میں رات دن یہ شور ہے

کس کو سمجھائیں اسے کھو دیں تو پھر پائیں گے کیا
ہم اگر رشوت نہیں لیں گے تو پھر کھائیں گے کیا
قید بھی کر دیں تو ہم کو راہ پر لائیں گے کیا
یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا

ملک بھر کو قید کر دے، کس کے بس کی بات ہے
خیر سے سب ہیں، کوئی دو چار دس کی بات ہے

یہ ہوس یہ، چور بازاری، یہ مہنگائی، یہ بھاؤ
رائی کی قیمت ہو جب پربت تو کیوں نہ آئے تاؤ
اپنی تنخواہوں کے نالے میں ہے پانی آدھ پاؤ
اور لاکھوں ٹن کی بھاری اپنے جیون کی ہے ناؤ

جب تلک رشوت نہ لیں ہم دال گل سکتی نہیں
ناؤ تنخواہوں کے پانی میں تو چل سکتی نہیں

رشوتوں کی زندگی ہے چور بازاری کے ساتھ
چل رہی ہے بے زری احکام زرداری کے ساتھ
پھرتیاں چوہوں کی ہیں بلی کی طراری کے ساتھ
آپ روکیں خواہ کتنی ہی ستم گاری کے ساتھ

ہم نہیں ملنے کے سن لیجے کسی بھونچال سے
کام یہ چلتا رہے گا آپ کے اقبال سے

یہ ہے مل والا وہ بنیا ہے یہ ساہوکار ہے
یہ ہے دوکاں دار وہ ہے وید یہ عطار ہے
وہ اگر ٹھگ ہے تو یہ ڈاکو ہے وہ بٹ مار ہے
آج ہر گردن میں کالی جیت کا اک ہار ہے

حیف ملک وقوم کی خدمت گزاری کے لیے
رہ گئے ہیں اک ہمیں ایمان داری کے لیے

بھوک کے قانون میں ایمان داری جرم ہے
اور بے ایمانیوں پر شرمساری جرم ہے
ڈاکوؤں کے دور میں پرہیز گاری جرم ہے
جب حکومت خام ہو تو پختہ کاری جرم ہے

لوگ اٹکاتے ہیں کیوں روڑے ہمارے کام میں
جس کو دیکھو خیر سے ننگا ہے وہ حمام میں

صرف اک پتلون سلوانا قیامت ہو گیا
وہ سلائی لی میاں درزی نے ننگا کر دیا
آپ کو معلوم بھی ہے چل رہی ہے کیا ہوا
صرف اک ٹائی کی قیمت گھونٹ دیتی ہے گلا

ہلکی ٹوپی سر پہ رکھتے ہیں تو چکراتا ہے سر
اور جوتے کی طرف بڑھیے تو جھک جاتا ہے سر

تھی بزرگوں کی جو بنیائن وہ بنیا لے گیا
گھر میں جو گاڑھی کمائی تھی وہ گاڑھا لے گیا
جسم کی ایک ایک بوٹی گوشت والا لے گیا
تن میں باقی تھی جو چربی گھی کا پیالہ لے گیا

آئی تب رشوت کی چڑیا پنکھ اپنے کھول کر
ورنہ مر جاتے میاں کتے کی بولی بول کر

پتھروں کو توڑتے ہیں آدمی کے استخواں
سنگ باری ہو تو بن جاتی ہے ہمت سائباں
پیٹ میں لیتی ہے لیکن بھوک جب انگڑائیاں
اور تو اور اپنے بچے کو چبا جاتی ہے ماں

کیا بتائیں بازیاں ہیں کس قدر ہارے ہوئے
رشوتیں پھر کیوں نہ لیں ہم بھوک کے مارے ہوئے

آپ ہیں فضل خدائے پاک سے کرسی نشیں
انتظام سلطنت ہے آپ کے زیرِ نگیں
آسماں ہے آپ کا خادم تو لونڈی ہے زمیں
آپ خود رشوت کے ذمے دار ہیں فدوی نہیں

بخشتے ہیں آپ دریا کشتیاں کھیتے ہیں ہم
آپ دیتے ہیں مواقع رشوتیں لیتے ہیں ہم

ٹھیک تو کرتے نہیں بنیاد ناہموار کو
دے رہے ہیں گالیاں گرتی ہوئی دیوار کو
سچ بتاؤں زیب یہ دیتا نہیں سرکار کو
پالئے بیماریوں کو ماریے بیمار کو

علت رشوت کو اس دنیا سے رخصت کیجیے
ورنہ رشوت کی دھڑلے سے اجازت دیجیے

دست کاری کے افق پر ابر بن کر چھائیے
جہل کے ٹھنڈے لہو کو علم سے گرمائیے
کارخانے کیجیے قائم مشینیں لائیے
ان زمینوں کو جو محو خواب ہیں چونکائیے

خواہ کچھ بھی ہو منڈھے یہ بیل چڑھ سکتی نہیں
ملک میں جب تک کہ پیداوار بڑھ سکتی نہیں

حال کے سکے کو ماضی کا جو سکہ دیکھ لے
سو روپے کے نوٹ کے منہ پر دوانی تھوک دے
وقت سے پہلے ہی آئی ہے قیامت دیکھیے
منہ کو ڈھانپے رو رہی ہے آدمیت دیکھیے
دور جا کر کس لیے تصویرِ عبرت دیکھیے
اپنے قبلہ جوشؔ صاحب ہی کی حالت دیکھیے

اتنی گمبھیری پہ بھی مر مر کے جیتے ہیں جناب
سو جتن کرتے ہیں تو اک گھونٹ پیتے ہیں جناب

محمود ایاز

اے جوئے آب

تمام عمر کے سود و زیاں کا بار لیے؟
ہر انقلاب زمانہ سے منہ چھپائے ہوئے
حیات و مرگ کی سرحد پہ نیم خوابیدہ
میں منتظر تھا

مسرت کی کوئی دھندلی کرن
زماں و مکاں سے پرے اجنبی جزیروں سے
دم سحر مجھے خوابوں میں ڈھونڈتی آئے
فشار وقت کی سرحد سے دور لے جائے
کھلی جو آنکھ
طلوع سحر نے ہنس کے کہا
حصار وقت سے آگے کوئی مقام نہیں
سمجھ سکو، تو زمان و مکاں کی قید نہیں
سمجھ سکو
تو یہی ذات بے کراں بھی ہے

مخدوم محی الدین

انقلاب

اے جانِ نغمہ جہاں سوگوار کب سے ہے
ترے لیے یہ زمیں بے قرار کب سے ہے
ہجومِ شوق سرِ رہ گزار کب سے ہے
گزر بھی جا کہ ترا انتظار کب سے ہے

نہ تابناکیِ رُخ ہے، نہ کاکلوں کا ہجوم
ہے ذرہ ذرہ پریشاں کلی کلی مغموم
ہے کل جہاں متعفن ہوائیں سب مسموم
گزر بھی جا کہ ترا انتظار کب سے ہے

رخِ حیات پہ کاکل کی برہمی ہی نہیں
نگارِ دہر میں اندازِ مریمی ہی نہیں
مسیح و خضر کی کہنے کو کچھ کمی ہی نہیں
گزر بھی جا کہ ترا انتظار کب سے ہے

حیات بخش ترانے اسیر ہیں کب سے
گلوئے زہرہ میں پیوست تیر ہیں کب سے ہے
قفس میں بند ترے ہم صفیر ہیں کب سے
گزر بھی جا کہ ترا انتظار کب سے ہے

حرم کے دوش پہ عقبیٰ کا دام ہے اب تک
گزر بھی جا کہ ترا انتظار کب سے ہے

ابھی دماغ پہ قحبائے سیم و زر ہے سوار
ابھی رکی ہی نہیں تیشہ زن کے خون کی دھار
شمیم عدل سے مہکیں یہ کوچہ و بازار
گزر بھی جا کہ ترا انتظار کب سے ہے

مولوی عبدالحق

اسم اور اس کی قسمیں

اسم وہ لفظ ہے جو کسی کا نام ہو

اسم کی دو قسمیں ہیں

ا۔خاص ۲۔عام

خاص:

کسی شخص یا شئے یا مقام کا نام۔مثلاً علاء الدین، کلکتہ، گنگا

عام:

وہ اسم ہے جو ایک قسم کے تمام افراد کے لئے فرداًفرداً استعمال ہو سکے جیسے آدمی، گھوڑا، درخت، کتاب

اسم خاص:

اشخاص کے اسم خاص بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔مثلاً

ا۔خطاب: نام جو بادشاہ یا سرکار دربار سے اعزازی طور پر ملتا ہے۔اقبال الدولہ، عماد الملک۔

۲۔لقب: ایک وصفی نام جو کسی خصوصیت یا وصف کی وجہ سے پڑ گیا ہو۔جیسے مرزا نوشہ لقب ہے اسد اللہ خاں غالب کا یا کلیم اللہ لقب ہے حضرت موسیٰ کا۔

۳۔عرف: وہ نام ہے جو محبت یا حقارت کی وجہ سے پڑ جائے یا اصل نام کا اختصار لوگوں کی زبان زد ہو جائے۔جیسے چٹو، کلن، فخرو، اچھے میاں

۴۔تخلص: ایک مختصر نام جو شاعر نظم میں بجائے اصلی نام کے داخل کر دیتے ہیں۔مثلاً غالب تخلص ہے مرزا اسد اللہ خاں کا۔حالی تخلص ہے مولانا الطاف حسین کا۔

اس کے علاوہ ممالک، دریاؤں اور پہاڑوں کے اور دیگر جغرافیائی اسماء اور علم وفنون وامراض وغیرہ کے نام سب اسم خاص ہوں گے۔

بعض اوقات اسم خاص اسم کی صفت کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔جیسے رستم، حاتم وغیرہ مثلاً یوں کہیں کہ وہ شخص اپنے وقت کا حاتم ہے۔یا وہ رستم ہند ہے یا فلاں شخص قیس یا فرہاد ہے۔یا وہ سعدی یا کالیداس ہے۔ایسے موقعوں پر رستم سے بڑا پہلوان، حاتم سے بڑا سخی

،قیس وفریاد سے بڑے عاشق، سعدی اور کالیداس سے بڑے شاعر مراد ہیں۔

اردو میں اسم عام کئی قسم کے ہوتے ہیں۔

اسم کیفیت، اسم جمع، اسم ظرف، اسم آلہ اس کی چند قسمیں ہیں۔

اسم کیفیت:

وہ اسم ہے جس سے کوئی خاص حالت یا کیفیت معلوم ہوتی ہو۔ جیسے سخی، روشنی، صحت، جلن۔

اسمائے کیفیت دو چیزیں ظاہر کرتے ہیں۔

اول حالت جیسے صحت، نیند، رفتار، سچ، جھوٹ۔

دوم وصفی کیفیت مثلاً درد، خوشی، مطالعہ۔

اسمائے کیفیت کیونکر بنتے ہیں؟

۱۔ بعض فعل سے بنتے ہیں۔ مثلاً چال چلن، گھبراہٹ، لین دین۔

۲۔ بعض صفت سے بنتے ہیں۔ مکاری، خوشی، کھٹائی، دیوانہ پن۔

۳۔ بعض اسم سے بنتے ہیں۔ جیسے دوست سے دوستی، لڑکے سے لڑکپن

۴۔ اکثر عربی، ہندی، فارسی کے الفاظ اسمائے کیفیت کا کام دیتے ہیں۔ جیسے: صحت، حسن، حرکت، بل، کوشش، جوش۔

۵۔ ایک لفظ کی تکرار یا دو لفظوں کے ملنے سے۔ جیسے بک بک، چھان بین، جان پہچان، خوشبو۔

اسم ظرف:

وہ اسم ہے جس میں جگہ یا وقت کے معنی پائے جائیں۔ مثلاً گھر، میدان، جھرنا، چراگاہ۔

بعض علامات ایسی ہیں کہ ان کے لگانے سے اسم ظرف بن جاتا ہے۔ بعض ان میں سے ہندی ہیں اور بعض فارسی۔

ہندی علامات سال (بمعنی جگہ) جیسے گھڑسال (گھوڑوں کے رہنے کی جگہ)۔ ٹکسال (جہاں ٹکے یعنی سکہ بنایا جاتا ہے)۔

شالہ یا سالہ جیسے دھرم سالہ، پاٹ شالہ، گئو سالہ۔ استھان (فارسی ستان) دیواستھان، پرستان، آل۔ یال جیسے: سسرال، ننہیال، ددھیال

آنہ: سمدھیانہ، سرہانہ۔

کا: جیسے میکا (ما کا)

بعض خاص الفاظ دوسرے الفاظ کے ساتھ مل کر اسم ظرف کے معنی دیتے ہیں۔ مثلاً ٹولہ سے قاضی ٹولہ

کھاٹ یا گھٹ: مرگھٹ، پن گھٹ، دھوبی گھاٹ

واڑہ، باڑہ۔ جیسے سیدواڑہ، قصائی باڑہ۔

واری۔: پھلواری۔

پارہ۔ جیسے: اوپر پارہ

دوار، دوارہ۔ جیسے ہردوار، گردوارہ، ٹھاکردوارہ

گھر۔ جیسے: ڈاک گھر، ریل گھر، ناچ گھر

نگر۔ جیسے سری نگر، احمد نگر۔

پور، پورہ۔ جیسے غازی پور، شولاپور، عثمان پورہ

گڈھ۔ جیسے علی گڈھ، آسمان گڑھ۔

منڈی۔ جیسے: دال منڈی، سبزی منڈی۔

فارسی علامات:

خانہ۔ کتب خانہ۔ ہندی وغیرہ الفاظ کے ساتھ جیسے چنڈوخانہ، چڑیا خانہ، جیل خانہ، ڈاک خانہ

گاہ۔ چراگاہ، شکارگاہ، بارگاہ، درگاہ۔

دان۔ چاءدان، قلم دان، عطردان، ہندی الفاظ کے ساتھ۔ جیسے پاندان، خاصدان، پیک دان۔

دانی (ہندیوں کا تصرف ہے) سرمہ دانی، تلے دائی۔

زار۔ سبزہ زار، لالہ زار، مرغزار۔

سار۔ کوہسار۔

ستان۔ گلستان، پرستان، کوہستان۔

سرا۔ جیسے: کارواں سرا۔ مہمان سرا۔ کدہ۔ جیسے: آتش کدہ۔

آباد۔ حیدرآباد، اورنگ آباد، اکبرآباد۔

شن۔ گلشن

بعض اوقات فعل سے بھی اسم ظرف بنتا ہے۔ مثلاً بیٹھنا سے بیٹھک، پینا سے پیاؤ۔

کبھی فعل اور اسم کے ملنے سے اسم ظرف بنتا ہے۔ مثلاً بُدرُود، آب چک۔

رمنا اور جھرنا دونوں مصدر ہیں۔ مگر یہ اسم ظرف کے معنوں میں بھی مستعمل ہیں۔ رمنا کے معنی پھرنے کے ہیں۔ ظرفی معنی پھرنے کی جگہ یعنی چراگاہ کے ہیں۔ جھرنا کے معنی پانی رسنے کے ہیں۔ ظرفی معنی وہ مقام جہاں سے پانی رستا ہے۔

عربی میں اسم ظرف مفعل اور مفعلہ کے وزن پر آتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اردو میں بھی رائج ہیں۔ مثلاً مکتب، مدرسہ، مقبرہ، مسجد، مجلس، مرقد، مقام، مزار، محشر، مقتل، منبع، مخرج، ماخز وغیرہ۔

اسم آلہ:

وہ اسم جو آلہ یا اوزار کے معنوں میں آئے۔ مثلاً چاقو، تلوار، ہتوڑا، درانتی۔

ا۔ بعض اسم آلہ فعل سے بنائے گئے ہیں۔

بیلنا سے بیلن، جھولنا سے جھولا۔

دھونکنا سے دھونکنی، جھاڑنا سے جھاڑو۔

چھاننا سے چھلنی، پھانسنا سے پھانسی۔

لٹکنا سے لٹکن، کترنا سے کترنی، پھونکنا سے پھکنی۔

۲۔ بعض اسم سے بھی بنتے ہیں۔ جیسے:

نہرنا یا نہرنی (بہ معنی ناخن)

ہتوڑا (ہاتھ سے)

دتون (دانت ہے)

۳۔ دو اسم مل کر جیسے: دستپنا (دست پناہ) منال (منہ، نال)

۴۔ فارسی اسماء کے آگے بعض علامات یا الفاظ بڑھانے سے بنائے گئے ہیں:

ہ کے بڑھانے سے: جیسے دست سے دستہ، چشم سے چشمہ۔

آنہ۔ جیسے: انگشت سے انگشتانہ، دست سے دستانہ۔

گیر۔ جیسے: کف گیر، گلگیر، آتشگیر۔

کش۔ جیسے: بادکش، دودکش۔

تراش۔ جیسے: قلم تراش

دان۔ جیسے چوہے دان، قلم دان۔

۵۔عربی کے اسمائے آلہ جو اکثر مفعل مفعلہ یا مفعال کے وزن پر ہوتے ہیں۔ اردو میں بھی مستعمل ہیں۔ مثلاً: مقراض، مشعل، منقار، مسواک، میزان، مضراب، مسطر، منبر،

اسم جمع:

بعض اسم ایسے ہوتے ہیں کہ صورت میں تو واحد معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں کئی اسموں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ جیسے فوج، انجمن، قطار، جھنڈ۔ اس قسم کے اسم کو اسمِ جمع کہتے ہیں۔

....

مولوی عبدالحق

ضمیر

وہ الفاظ جو بجائے اسم کے استعمال کئے جاتے ہیں، ضمیر کہلاتے ہیں۔ جیسے وہ نہیں آیا۔ میں آج نہیں جاؤں گا۔ اس میں (وہ) اور (میں) ضمیر ہیں۔ ضمیر سے فائدہ یہ ہے کہ بار بار انھیں اسماء کو جو گزر چکے ہیں دہرانا نہیں پڑتا اور زبان میں الفاظ کے دہرانے سے جو بدنمائی پیدا ہو جاتی ہے، وہ نہیں ہونے پاتی۔

ضمیر کی قسمیں

(۱) شخصی (۲) موصولہ (۳) استفہامیہ (۴) اشارہ (۵) تنکیر

(۱) ضمیر شخصی:

وہ ہے جو اشخاص کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔
ایک وہ جو بات کرتا ہے۔ اسے متکلم کہتے ہیں۔
دوسرا وہ جس سے بات کی جاتی ہے۔ اسے مخاطب کہتے ہیں۔
تیسرا وہ جس کی نسبت ذکر کیا جاتا ہے۔ اسے غائب کہتے ہیں۔
ضمائر کی حالتیں وہی ہوتی ہیں جو اسم کی ہیں (سوائے حالت خبری کے) ہر ایک کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

ضمائر متکلم

	واحد	جمع
فاعلی حالت	میں	ہم
مفعولی حالت	مجھے یا مجھ کو	ہمیں یا ہم کو
اضافی حالت	میرا	ہمارا
ظرفی حالت	مجھ میں	ہم میں
طوری حالت	مجھ سے	ہم سے

ضمائر مخاطب:

	واحد	جمع
فاعلی حالت	تو	تم
مفعولی حالت	تجھے یا تجھ کو	تمہیں یا تم کو
اضافی حالت	تیرا	تمہارا
ظرفی حالت	تجھ میں	تم میں
طوری حالت	تجھ سے	ہم سے

ضمائر غائب:

فاعلی حالت	وہ	وہ
مفعولی حالت	اسے یا اس کو	ان کو یا انہیں
اضافی حالت	اسے یا اس کو	ان کا
ظرفی حالت	اس میں	ان میں
طوری حالت	اس سے	ان سے

اردو ضمائر میں تذکیر و تانیث کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔
ضمائر غائب میں واحد اور جمع دونوں کے لئے (وہ) آتا ہے اور اس میں اشخاص اور اشیاء کا امتیاز نہیں ہوتا۔ پرانی اردو میں واحد کے لئے (وو) اور جمع کے لئے (وے) استعمال ہوتا تھا۔
(تو) بے تکلفی اور محبت کے لئے آتا ہے۔ جیسے ماں، بچے سے، گرو چیلے سے باتیں کرتا ہے۔ یا مخاطب کی کم حیثیتی کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسے آقا نوکر سے باتیں کرتے وقت استعمال کرتا ہے۔
بعض اوقات بہت بے تکلف دوست بھی تو کہہ کر باتیں کرتے ہیں۔
نظم میں اکثر مخاطب کے لئے (تو) لکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے لوگوں اور بادشاہوں کو بھی اسی طرح خطاب کیا جاتا ہے۔

بعد شاہاںِ سلف کے تجھے یوں ہے تفصیل
جیسے قرآن پس توریت و زبور و انجیل (ذوقؔ)

دعا پر کروں ختم اب یہ قصیدہ
کہاں تک کہوں تو چنیں ہے چناں ہے (میر)

دعا مانگتے وقت خدا سے 'تو' سے خطاب کیا جاتا ہے۔ دوسرے مواقع پر واحد مخاطب کے لئے 'تم' ہی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ سوائے بے تکلفی کے موقع کے، تم بھی اکثر نوکروں اور چھوٹے لوگوں سے خطاب کرتے وقت بولا جاتا ہے۔ ورنہ اکثر اور عموماً واحد مخاطب اور جمع مخاطب دونوں کے لئے (آپ) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ آپ، تعظیماً واحد غائب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے اگرچہ لوگ طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے، مگر آپ کو کبھی ملال نہ ہوتا۔ یا جب کوئی شخص کسی کو دوسرے سے ملاتا تو تعظیماً کہتا ہے کہ آپ فلاں شہر کے رئیس ہیں۔ آپ شاعر بھی ہیں وغیرہ وغیرہ۔
(ہم) ضمیر متکلم جمع میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن بڑے لوگ بجائے واحد متکلم کے بھی استعمال کرتے ہیں۔ جیسے ہم نے جو حکم دیا تھا اس کی تعمیل کیوں نہیں کی گئی، نظم میں یہ تخصیص نہیں۔ واں اکثر واحد متکلم کے لئے بھی آتا ہے۔ جیسے:

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے　　　بے نیازی تیری عادت ہی سہی
ایک ہم ہیں کہ دیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ　　　ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

کبھی متکلم عمومیت کے خیال سے (ہم) استعمال کرتے ہیں۔ جیسے یہ چند روزہ صحبت غنیمت ہے ورنہ پھر ہم کہاں تم کہاں۔
ہماری قسمت ہی بری ہے جو کام کیا بگڑ گیا۔ وہ بڑے ضدی ہیں کسی کی کیوں ماننے لگے۔ آخر ہمیں کو دینا پڑے گا۔

بعض اوقات اس کا استعمال مبہم ہو جاتا ہے اور صحیح طور سے نہیں معلوم ہوتا ہے متکلم کے ساتھ کون شریک ہے۔ مثلاً کوئی کہئے ''میرا ساتھ کون دے گا'' اس کے جواب میں دوسرا شخص کہے۔ ''ہم سب تمہارا ساتھ دیں گے''۔ اگر یہ کہنے والا واحد ہے، مگر دوسروں کو بھی شریک کر لیتا ہے۔

بعض اوقات اس کے ساتھ دوسرے الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے: ہم رعایائے سرکار، ہم شرکائے مجلس۔

کبھی کبھی محض انکسار کی غرض سے جب کہ اپنی شخصیت کا اظہار سننے والوں کے سامنے مناسب خیال نہیں کیا جاتا۔ گویا متکلم اپنی رائے یا فعل کو دوسروں کی آڑ میں چھپا لیتا ہے۔ جیسے ہماری رائے میں تعلیم کی اصلاح میں نہایت سرگرمی سے کوشش کرنی چاہئے۔

اس کا استعمال زیادہ تر اخباروں کے اڈیٹر کرتے ہیں جو گویا اہل ملک کے نائب ہیں۔

بعض اوقات یار اور یاروں کا لفظ واحد متکلم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: یار تو گوشۂ تنہائی میں رہتے ہیں، کہیں آئیں نہ جائیں۔ یاروں سے بچ کر کہاں جائے گا۔ یاروں کا لفظ واحد متکلم اور جمع متکلم دونوں کے لئے آتا ہے۔ مگر عموماً بے تکلفی کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ یہ استعمال کسی قدر عامیانہ سمجھا جاتا ہے۔

کیا مدنظر تم کو ہے یاروں سے تو کہئے　　　　گر منھ سے کہتے اشاروں سے تو کہئے (ذوقؔ)

جب کسی جملے میں کوئی اسم یا ضمیر فاعلی حالت میں ہو اور وہی مفعول بھی واقع ہو تو بجائے ضمیر مفعولی کے آپ کو ''اپنے تئیں'' یا ''اپنے آپ'' کو استعمال کرتے ہیں جیسے احمد آپ کو دور کھینچتا ہے یا اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہے۔ یا اپنے کو فاضل خیال کرتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی اسم یا ضمیر کسی فقرے میں فاعل ہے اور اس کی اضافی حالت لانی منظور ہو تو بجائے اصل ضمیر اضافی کے اپنا، اپنی یا اپنے حسب موقع استعمال ہوں گے۔ جیسے: امجد اپنی حرکت سے باز نہیں آتا۔ تم اپنا کام کرو، مجھے اپنے کام سے فرصت نہیں۔ وہ خود تو چلے گئے مگر اپنا کام مجھ پر چھوڑ گئے۔ یہ اسی حالت میں جب کہ فاعل ایک ہو۔ اگر فاعل الگ الگ ہیں تو (اپنے) کی ضمیر نہیں آئے گی بلکہ جس ضمیر کا موقع ہوگا اس کی اضافی حالت لکھی جائے گی۔ جیسے: وہ تو چلے گئے مگر ان کا کام مجھ پر آ پڑا۔ یہاں چلے گئے کا فاعل ''وہ'' ہے۔ اور آ پڑا کا فاعل 'ان کا کام ہے۔' جیسے تم چلے گئے مگر تمہارا کام انہوں نے مجھے سونپ دیا کا فاعل انہوں نے۔

اپنا اور اپنی مضاف کے لحاظ سے حسب ترتیب واحد مذکر، واحد و جمع مؤنث اور جمع مذکر کے لئے آتے ہیں۔ اگر حروف ربط میں کوئی مضاف کے بعد آجاتا ہے۔ تو (اپنا) بدل کر (اپنے) ہو جاتا ہے۔ جیسے وہ اپنے کام سے غافل ہے۔ وہ اپنے ہوش میں نہیں۔

دراصل ایسے فقروں میں اصل ضمیریں اپنا، اپنی سے بدل گئی ہیں۔ مثلاً: مجھے اپنے کاموں سے فرصت۔ اصل میں تھا، مجھے میرے کاموں سے فرصت نہیں۔

آپ اور اپنا دوسرے ضمائر کے ساتھ تاکید کے لئے بھی آتا ہے۔ مثلاً: حالت فاعلی، میں آپ آ گیا تھا۔ وہ آپ آئے تھے، تم آپ گئے تھے،

حالت اضافی میں جیسے میرا اپنا کام تھا۔ یہ ان کا اپنا باغ ہے۔

میرا اپنا جدا معاملہ ہے　　　　　اور کے لین دین سے کیا کام (غالبؔ)

فارسی کا لفظ خود بھی (جس کے معنی آپ یا اپنے کے ہیں) انھیں معنوں میں آتا ہے۔

جیسے: انھوں نے خود فرمایا۔ خود بعض حالتوں میں زیادہ فصیح ہے اور خصوصاً حالت مفعولی میں۔ جیسے: میں نے خود اسے دیا۔ یہاں خود کے استعمال سے ابہام پایا جاتا ہے کے خود کا تعلق (میں) سے ہے یا (اسے) سے۔ لہٰذا اس کے رفع کے لئے ایسے موقعوں پر استعمال کی یہ صورت ہونی چاہئے کہ جس لفظ سے اس کا تعلق ہو اس کے اول استعمال کیا جائے مثلاً اگر یہاں خود کا تعلق (میں) سے ظاہر کرنا مقصود ہو تو یوں کہا جائے۔ ''خود میں نے اسے دیا''، مگر حالت اضافی میں خود کا کہنا فصیح نہیں ہے۔ ایسے موقعے پر (اپنا) زیادہ فصیح رہے گا۔ مثلاً: ''خود کا خود کرنا چاہئے۔'' کی بجائے ''اپنا کام آپ کرنا چاہئے''، زیاد فصیح ہو گا۔

۲۔ضمیر موصولہ:

وہ ہے جو کسی اسم کے بجائے آتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہمیشہ ایک جملہ ہوتا ہے جس میں اس کے اسم کا بیان ہوتا ہے، جیسے وہ کتاب جو کل چوری گئی تھی، مل گئی۔ آپ کے دوست جو چیچک رو ہیں مجھے ملے تھے۔ پہلے جملے میں 'جو' کتاب کے لئے اور دوسرے میں 'جو' دوست کے لئے۔ اور ساتھ کے جملوں میں دونوں اسموں کا بیان ہے۔

ضمیر موصولہ صرف (جو) ہے، جس کی مختلف حالتیں یہ ہیں۔

	واحد	جمع
	جو، (حرف نے کے ساتھ)	جو، (حرف نے کے ساتھ)
فاعلی حالت	جس نے	جنہوں نے
مفعولی حالت	جس کو یا جسے	جن کو یا جنہیں
	(مذکر) جس کا	جن کا
اضافی حالت	(مونث) جس کی	جن کی
ظرفی حالت	جس میں	جن میں
طوری حالت	جس سے	جن سے

جن کو، جنہیں، جنہوں نے، جن کا، اگر چہ جمع ہیں مگر تعظیماً واحد کے لئے بھی آتے ہیں جس اسم کے لئے یہ ضمیر آتی ہے، اسے مرجع کہتے ہیں۔

ضمیر موصولہ ہمیشہ ایک جملے کے ساتھ آتی ہے اور دوسرا جملہ اس کے جواب میں ہوتا ہے۔ مثلاً: وہ کتاب جو کل خریدی تھی جاتی رہی۔ اس میں دو جملے ہیں۔ ایک 'جو کل خریدی تھی' دوسرا وہ کتاب جاتی رہی'۔ اس میں 'جو' ضمیر موصولہ ہے۔

(جو) حالت فاعلی میں واحد اور جمع دونوں میں یکساں استعمال ہوتا ہے مگر جب فاعل کے ساتھ 'نے' ہو تو واحد میں (جو) بھیس بدل کر (جس) اور جمع میں (جنہوں) ہو جاتا ہے۔ مثلاً جس نے ایسا کیا برا کیا۔ وہ لوگ جنہوں نے قصور کیا تھا معاف کر دیئے گئے۔

کبھی (جو) کے جواب میں فقرۂ ثانی میں (سو) آتا ہے۔ جیسے جو ہو سو ہو۔ جو چڑھے گا سو گرے گا۔

(جَون) بھی ہندی ضمیر موصولہ ہے مگر اردو میں (سا) کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے ان میں سے جَون سا چاہو لے لو۔ جمع میں (جون سے) اور واحد و جمع مؤنث میں (جون سی) استعمال ہوتا ہے۔

کبھی (کہ) بطور ضمیر موصولہ کے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے۔

میں کہ آشوب جہاں سے تھا ستم دیدہ بہت　　　　امن کو سمجھا غنیمت دل غم دیدہ بہت (آزاد)

جو، جس اور جن بہ تکرار بھی آتے ہیں اور واحد یا جمع کی حالت میں ان کا اطلاق فرداً فرداً ہوتا ہے۔ مثلاً: جو جو پسند ہو لے لو۔ جن جن کے پاس گیا انہوں نے یہی جواب دیا۔

ضمائر استفہامیہ:

جو سوال پوچھنے کے لئے آتی ہیں دو ہیں۔ کون اور کیا (کون) جاندار کے لئے آتا ہے۔ (کیا) بے جان کے لئے۔

جیسے: کون کہتا ہے، کیا چاہیئے۔

(کون) کی مختلف حالتیں یہ ہیں:

	واحد	جمع
فاعلی حالت	کون اور (نے کے ساتھ) کس نے	کون (نے کے ساتھ) کنھوں نے
مفعولی حالت	کیسے یا کسی کو، کس سے،	کن کو یا کنھیں، کن سے

اضافی حالت	کس کا	کن کا
ظرفی حالت	کس میں	کن میں
طوری حالت	کس سے	کن سے

جیسے: کون کہتا ہے، کس نے کہا، کس کے پاس ہے، کس کو دیا؟ کن، اب صورت فاعلی میں کبھی ضمیر کے بجائے نہیں آتا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے: کن لوگوں نے کہا؟

کس کس، کن کن اور کیا کیا بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے: کس کس کو روؤں، کن کن سے کہوں، کیا کیا کروں۔

کون کون بھی بولتے ہیں جیسے وہاں کون کون تھے؟ ان فقروں میں فعل کئی اشخاص یا اشیاء پر فرداً فرداً واقع ہوتا ہے اور جمع کا ہونا بتاتا ہے۔

کون سا (کون سی، کون سے) بھی بجائے ضمیر مستعمل ہے۔ کون اور 'کون سا' میں فرق اتنا ہے کہ (کون سے) میں ذرا خصوصیت پائی جاتی ہے اور یہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کہ کئی چیزوں میں سے کسی ایک کا انتخاب مقصود ہو۔ مثلاً: ان میں سے کون سی چاہئے؟ یہاں (کون) نہیں کہیں گے (سا) کے ساتھ (کون) اشخاص اور اشیاء دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ضمائر اشارہ:

جو بطور اشارہ کے استعمال ہوتی ہیں ''وہ'' بعید کے لئے۔ ''یہ'' قریب کے لئے۔ ضمائر اشارہ اور ضمائر غائب شخصی ایک ہی ہیں۔ لیکن جب بطور اشارہ استعمال ہوتی ہیں تو انھیں ضمائر اشارہ کہتے ہیں۔ جیسے: وہ لوگے یا یہ۔ حروف ربط کے آنے سے وہ اُس سے اور یہ اس سے بدل جاتا ہے۔ اور جمع میں اُن اور ان ہو جاتا ہے۔

دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز   اب دھرا کیا ہے اُس میں اور اس میں

ضمائر تنکیر:

وہ ہیں جو غیر معین اشخاص یا اشیاء کے لئے آئیں۔

ضمائر تنکیر دو ہیں، ''کوئی'' اور ''کچھ''

(کوئی) اشخاص کے لئے اور (کچھ) اشیاء کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کوئی ہے؟ کوئی نہیں بولتا۔ کچھ ہے یا نہیں؟ کچھ نہ کہو۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے؟

حروف ربط کے آنے سے 'کوئی' کی صورت 'کسی' ہو جاتی ہے۔ جیسے: کسی کے پاس نہیں۔ کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔

جب یہ ضمائر تنکرار کے ساتھ کوئی کوئی اور کچھ کچھ استعمال ہوتے ہیں تو اس میں خاص زور پایا جاتا ہے۔ مگر معنی قلت کے آتے ہیں۔ جیسے: اب بھی کوئی کوئی نظر پڑ جاتا ہے۔

اگرچہ نایاب ہے مگر کسی کسی کے پاس اب بھی مل جاتی ہے۔ ابھی کچھ کچھ درد باقی ہے۔ نفی کے ساتھ بھی یہ تکرار آتا ہے۔ جیسے: ہو رہے گا کچھ نہ کچھ، گھبرائیں کیا۔ کوئی نہ کوئی مل ہی رہے گا۔

عربی کے الفاظ 'بعض' اور 'بعضے' بھی ضمیر تنکیر کا کام دیتے ہیں۔ بعض کا یہ خیال ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں۔ ''بعض'' تکرار کے ساتھ بھی آتا ہے۔ جیسے بعض بعض ایسے بھی ہیں۔ اسی طرح 'فلاں'، 'کُل' اور 'چند' بھی بطور ضمیر تنکیر کے استعمال ہوتے ہیں۔

ضمائر تنکیری دوسرے ضمائر کے ساتھ مل کر مرکب بھی آتی ہیں جیسے جو کوئی، جو کچھ، جس کسی، ہر کوئی۔ جیسے: جس کسی کو کہتا ہوں وہ الٹا مجھی کو قائل کرتا ہے۔ جو کچھ کہو بجا ہے۔ ہر کوئی یہی کہتا ہے۔ جو کچھ ہے غنیمت ہے۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔

انور عنایت اللہ

سمجھوتا　　(ایک بابی ڈراما)

افراد　　مقبول احمد............ باپ

بیگم مقبول............ ماں

سہیل ....بیٹا

ستارہ ....بیٹی

عصمت................بہو

(زمانہ۔یہی آپ کا اور ہمارا)

(متوسط گھرانے کا ایک کمرہ۔اس کمرہ میں تین دروازے ہیں اور دو دریچے۔ایک دروازہ اندر کی طرف سے بند ہے۔دوسرے دونوں دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ان میں سے ایک اس کمرہ کو عصمت کی خواب گاہ سے ملاتا ہے اور دوسرا برآمدہ میں کھلتا ہے۔دریچے اور دروازوں پر رنگین پردے لگے ہوئے ہیں جن کا رنگ شاید کثرتِ استعمال سے اُڑ گیا ہے۔۔کمرہ سستے قسم کے فرنیچر سے سجایا گیا ہے۔دیواروں پر چند تصویریں آویزاں ہیں۔ایک طرف بند دروازہ سے قریب ایک بڑی میز ہے جو شاید ابھی خریدی گئی ہے۔اس پر بک کیس میں درجن بھر اردو انگریزی کتابیں رکھی ہیں۔دیوار پر پرانے قسم کی گھڑی لٹک رہی ہے۔اس وقت چھ بج رہے ہیں۔کمرہ میں روشنی ہو رہی ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شام کے چھ بج رہے ہیں۔پردہ اٹھنے پر مقبول احمد نظر آتے ہیں جو ایک آرام کرسی پر بیٹھے شام کا انگریزی اخبار پڑھ رہے ہیں۔عمر تقریباً ساٹھ سال، سر کے بال سفید ہیں آنکھوں پر عینک ہے، کرتا پائجامہ پہنے ہوئے ہیں۔انگلیوں کے درمیان جلتا ہوا سگریٹ ہے۔

بیگم مقبول : (عقب میں) ارے جمّن۔او جمن۔نہ جانے کمبخت کہاں مر گیا (بیگم برآمدہ کی طرف سے کمرہ میں داخل ہوتی ہیں)

مقبول : (اخبار پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر) کیا ہو گیا؟ جمن کو شاید سہیل نے کہیں بھیجا ہے۔

بیگم : یہ تو مجھے معلوم ہے لیکن میرا خیال تھا اب تک لوٹ آیا ہوگا۔کمبخت جہاں جاتا ہے وہیں مر جاتا ہے۔

مقبول : آجائے گا۔اس سے تمھیں ایسا کون سا کام پڑ گیا ہے؟

بیگم : جی! کوئی خاص کام نہیں۔صرف راشن والے کے یہاں سے اب تک آٹا نہیں آیا۔شکر کا بھی کچھ انتظام نہ ہو سکا۔دھوبی کے یہاں سے اب تک کپڑے نہیں آئے۔تمھیں کیا۔تم بیٹھے اخبار پڑھا کرو۔

(مقبول اخبار ایک طرف رکھنے کے بعد چشمہ آنکھوں پر سے اتار کر میز پر رکھتا ہے)

مقبول : (انگڑائی لے کر) اب کہو بیگم! تمہیں مجھ سے کیا شکایت ہے؟ (یوں جیسے بیگم کی خفگی سے بیزار ہیں) آٹا نہیں آیا تو اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ دوکان رات کے آٹھ بجے تک کھلی رہتی ہے۔ میرے کپڑوں کی بھی ایسی کوئی جلدی نہیں۔ کل صبح لے آئے گا جمن۔ اب رہا چینی کا مسئلہ......تو سہیل سے کہہ دوں گا وہ کل اس کا انتظام کرے گا۔ اس کا ایک دوست راشنگ آفیسر ہو گیا ہے (وہ عینک دوبارہ لگا کر اخبار اٹھا لیتا ہے)

بیگم : جی ہاں سہیل ضرور کر دیں گے۔ انہیں اپنی بیوی سے فرصت ملے تب نا؟ دن بھر دفتر میں رہے ہیں۔ شام کو گھر آتے ہیں تو سیدھے بیوی کے کمرے میں۔ گھنٹوں کسر پھسر ہوتی ہے۔ پھر چپکے سے ٹہلنے چلے جاتے ہیں۔ مجھ سے تو باتیں کئے اسے ہفتہ ہو گا...........!

مقبول : (بات کاٹ کر) شی......شی......!! تمہیں ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ وہ آخر بچے ہی ہیں۔ ان کی عمر ہی کیا ہے۔ آہستہ آہستہ ذمہ داریوں کا احساس ہو جائے گا۔ شادی کے صرف چھ مہینے تو ہوئے ہیں۔ ابھی کچھ دن انہیں آزادی کی سانس لینے دو بیگم۔

بیگم : جی ہاں بچے ہیں۔ اس عمر میں ہمارے ہاں کی لڑکیاں دو بچوں کی مائیں بن جاتی ہیں!!

مقبول : (فوراً) میرا خیال ہے چولہے پر کوئی چیز جل رہی ہے......تمہیں بو نہیں آئی!

(بیگم ہوا میں سونگھنے کی کوشش کرتی ہے اور پھر چیختی ہیں)

بیگم : ہائے اللہ......قیمہ جل گیا......خدا غارت کرے اس جمن کے بچہ کو۔

(وہ تیزی سے چلی جاتی ہیں، مقبول مسکراتا ہے اور وہ دوبارہ اخبار کا مطالعہ شروع کر دیتا ہے۔ برآمدہ کی طرف سے سہیل اور عصمت داخل ہوتے ہیں۔ کمرہ میں مقبول کو دیکھتے ہیں تو لحہ بھر کے لیے رک جاتے ہیں۔ اور پھر تیزی سے خواب گاہ کی طرف بڑھتے ہیں۔)

مقبول : (اخبار پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر) سہیل!! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔

دونوں فوراً رک جاتے ہیں۔ سہیل باپ کو دیکھتا ہے۔ پھر عصمت کو اندر جانے کا اشارہ کرتا ہے۔

مقبول : بیٹھ جاؤ سہیل! (وہ قریب صوفہ پر بیٹھ جاتا ہے۔ مقبول اخبار رکھ دیتا ہے) آج تم جلد لوٹ آئے؟

سہیل : عصمت کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ابا جان!

مقبول : طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟ تم نے اپنی امی سے بھی کہا؟ تمہیں غفلت سے کام نہیں لینا چاہیے بیٹے! بہو پرائے گھر کی لڑکی ہے۔ اگر خدانخواستہ اس کی طبیعت زیادہ بگڑی تو ہم کسی کو منہ تک نہیں دکھا سکیں گے۔

سہیل : معاف کیجئے ابا جان!......اس گھر میں نہ کسی کو میری فکر ہے اور نہ کسی کے پاس عصمت کے بارے میں کچھ سننے کے لئے وقت

ہے۔ پھر ایسی معمولی سی باتوں کے لئے امی کا وقت کیوں ضائع کروں؟ (وہ اٹھ کر جانے لگتا ہے۔)

مقبول : بیٹھ جاؤ سہیل!

سہیل : معاف کیجیے ابا جان! عصمت کمرہ میں تنہا ہے۔

مقبول : (خفیف سی درشتی سے) بیٹھ جاؤ تم۔ بہو کو اس کے کمرہ میں کوئی کھا نہیں جائے گا (سہیل بیٹھ جاتا ہے) میں دیکھ رہا ہوں۔ آج کل تم میں بہت سی تبدیلیاں پیدا ہو گئی ہے۔ آج پہلی بار تم نے میرے سامنے بہکی بہکی باتیں کیں۔ مجھے معلوم ہے تم نے عمداً ایسا نہیں کیا۔ لیکن بیٹے (نرمی) جانتے ہو تم نے مجھے کتنا دکھ پہنچایا ہے۔؟

سہیل: معاف کیجیے ابا جان! میں سخت شرمندہ ہوں۔ آج صبح سے خود میرے سر میں ہلکا سا درد ہے۔ آج دفتر سے آنے کے بعد میں نے عصمت کو خلاف معمول بہت خاموش دیکھا تو مجھے سخت کوفت ہوئی، تین دن سے وہ بیمار ہے۔ لیکن کسی نے پوچھ کر بھی نہیں دیکھا۔ اس گھر کے ماحول نے اسے پیس کر رکھ دیا ہے ابا جان!

مقبول : تو اسے بھی اس گھر سے شکایتیں پیدا ہو گئی ہیں!! (وہ کچھ سوچ رہا ہے)

سہیل: (باپ کی سنے بغیر) کاش وہ مجھے اپنا ہمراز بناتی۔ مصیبت تو یہ ہے کہ وہ کسی سے کچھ نہیں کہتی ابا جان! کسی کی شکایت نہیں کرتی۔ بس ہمیشہ آزردہ رہتی ہے۔ اس کی یہ بیماری اسی اداسی کا نتیجہ ہے ابا جان!

مقبول :!!! (سوچتے ہوئے)......میں دیکھ رہا ہوں سچ مچ عصمت اس گھر میں خوش نہیں۔

سہیل : میں بھی اس نتیجہ پر پہنچا ہوں ابا جان۔ اسی لیے کل سے سوچ رہا ہوں دفتر سے قریب ایک مکان لے لوں۔

مقبول : (حیرت سے) سہیل؟

بیگم : (عقب میں) اب آیا ہے کمبخت تو؟......ساری ہنڈیا جل کر خاک ہو گئی تو لوٹے نواب صاحب، اس گھر کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے (وہ یہ کہتے ہوئے کمرہ میں آجاتے ہیں)

مقبول : (اداس لہجہ میں) تو تم بھی تنگ آئی ہو اس گھر سے؟ (ٹھنڈی سانس لے کر) جو جی چاہے کرو۔

بیگم : (پریشان ہو کر) کون اس گھر سے تنگ آ گیا ہے۔ تم کیا کہہ رہے ہو؟

مقبول : سہیل دفتر سے قریب علاحدہ مکان لے رہا ہے۔

بیگم : (حیرت سے) علاحدہ مکان لے رہا ہے؟ آخر کیوں؟ (وہ بیٹے کو دیکھتی ہے جو خاموش بیٹھا دانتوں سے ناخن کاٹ رہا ہے) اور اب سمجھی۔ بات اب یہاں تک پہنچ گئی؟ مجھے پہلے ہی شک تھا۔ یہ دن رات کی کھسر پھسر۔ یہ سازشیں آخر رنگ لا کر رہی ہیں۔ جاؤ بیٹے جاؤ ......شوق سے علاحدہ مکان لے لو اور اپنی چہیتی کے ساتھ جاؤ اور ہمیں چھوڑ جاؤ......اب رہ گئے ہم دونوں......ہم یہیں کسی نہ کسی طرح

زندگی کے دن پورے کرلیں گے۔ تمہیں ہماری مصیبتوں سے کیا؟ تمہیں اپنے حلوے مانڈے سے مطلب ہے؟

مقبول : چپ ہوجاؤ۔ تم اس مسئلہ کو نہیں سمجھ سکیں۔

بیگم : جی ہاں میں نہیں سمجھ سکی، لیکن تم تو سمجھ گئے ہونا۔ میں شروع ہی سے چیختی آئی ہوں لاڈلی کو سر نہ چڑھاؤ۔ لیکن میری کوئی سنے تب نا ،جی وہ میری بہو نہیں بیٹی ہے۔ اس گھر کی زینت ہے۔ اب دیکھ لیا۔ خاندان کی ناک نے تمہارے اس لائق بیٹے کو ایسا سبق پڑھایا۔ کہ آج برخوردار علاحدہ مکان لے رہے ہیں۔

سہیل :(جذباتیت سے) وہ سچ مچ خاندان کی ناک ہے امی۔ یہ اور بات ہے کہ آپ لوگوں نے اس کی قدر نہ کی اور اسے گھر کی ملازمہ سمجھا ۔

بیگم : اور سن لو۔ ہم نے ان کی بیگم صاحبہ کو گھر کی ملازمہ سمجھا۔ خدا ایسی اولاد نہ دیتا تو اچھا تھا۔ آج لائق بیٹے اپنی بیوی کی حمایت میں والدین کی خوب عزت کر رہے ہیں

سہیل :آپ کے جو جی آئے کہیے امی۔ آپ لوگوں نے میری بیوی کی خوب قدر کی، وہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے ۔آپ لوگوں نے اس سے برتن منجھوائے، کپڑے دھلوائے، چولہا پھکوایا، اس سے جی نہ بھرا تو دن رات طعنے دئے گئے، میں کہتا ہوں۔ صبر کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے امی۔

بیگم : (جھنجھلا کر) ارے واہ رے لڑکے واہ۔ کس نے تیری بیوی سے کپڑے دھلوائے؟ وہ ایک دن پیرن بی غائب رہیں تو میں نے ذرا اپنا ڈوپٹہ دھونے کے لئے کہہ دیا تھا۔ جو خدا کے فضل سے دو دنوں کے بعد دھویا گیا۔ اور میں کہتی ہوں تمہاری چہیتی بیگم نے ایک دن چولہا پھونکا تو آخر کس پر احسان کیا۔ آخر میں اسے پکا پکا کر جو کھلاتی رہی ہوں۔ اس دن باورچی بیمار پڑ گیا تو غلطی سے میں نے بیگم صاحبہ کو ہنڈیا دیکھنے کے لیے کہہ دیا تھا جس کے آج یوں طعنے دیئے جا رہے ہیں۔

مقبول : (افسردگی سے) بس اب چپ ہو جاؤ......ان باتوں سے کیا فائدہ......اگر تمہاری بہو اور بیٹے اس گھر میں اپنا دم گھٹتا محسوس کرتے ہیں تو وہ شوق سے علاحدہ مکان لے سکتے ہیں۔ آج تک اس گھر میں سب آزاد رہے۔ اس گھر میں آج تک کسی کی آزادی پر پابندیاں نہیں عائد کی گئیں۔ انہیں نہ روکو بیگم۔ یہ جہاں رہیں اچھے رہیں۔ ہمارے لیے بس یہی کافی ہے۔ (وہ اٹھ کر دریچہ تک جاتا ہے۔ اور باہر دیکھنے لگتا ہے۔ سہیل اپنے باپ کے تخیلات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ناکام رہتا ہے۔ ماں کا غصہ سے برا حال ہے۔ لیکن مقبول کی خاموشی سے متاثر ہو کر وہ بھی خاموش رہنا بہتر سمجھتی ہے۔ وہ کمرہ سے چلی جاتی ہے۔ کمرہ میں خاموشی ہے۔ یکا یک خواب گاہ کا پردہ ہٹا کر عصمت اسٹیج پر آجاتی ہے لیکن مقبول کو دیکھ کر وہیں رک جاتی ہے)

مقبول :(آہستہ سے) آؤ بیٹی! رک کیوں گئیں؟......(مڑ کر سہیل سے) میں چلتا ہوں سہیل۔ دیکھوں جمن کپڑے لایا بھی یا نہیں (وہ

دروازہ کی طرف مڑتا ہے۔ سہیل کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن پھر کچھ سوچ کر رک جاتا ہے۔ مقبول اپنے ہونٹوں پر افسردہ مسکراہٹ لئے دونوں کو دیکھتا ہے اور پھر اسٹیج پر سے چلا جاتا ہے)

سہیل: بیٹھ جاؤ عصمت۔ وہ بیٹھ جاتی ہے (سہیل اس سے قریب ہو کر صوفے پر بیٹھ جاتا ہے۔)

عصمت: میں اپنے کمرہ سے تمہاری گفتگو سن چکی ہوں، سہیل نہ جانے امی مجھ سے کیوں خفا ہیں۔ آج تک کبھی میں نے ان کی حکم عدولی نہیں کی، جو کام میں نے زندگی بھر نہیں کیا تھا وہ صرف ان کی خوشنودی کے لیے کیا۔ پھر بھی وہ مجھ سے نفرت کیوں کرتی ہیں سہیل؟ (وہ بے حد اداس نظر آتی ہے)

سہیل: میں خود نہ سمجھ سکا عصمت، لیکن تم مجھ پر بھروسہ رکھو۔ میری محبت پر بھروسہ رکھو۔ میں تمہیں ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم جب سے یہاں آئی ہو ہمیشہ افسردہ رہتی ہو۔ مجھے اس سے سخت تکلیف ہوتی ہے عصمت۔ آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ بتاؤ عصمت؟

عصمت: (دھیمے لہجے میں) میں خود نہیں جانتی کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ مجھے یہاں ہر طرح کا آرام ہے۔ پیار بھرا ماحول اور محبت کرنے والا شوہر اور!!

سہیل: (فوراً) اور دن رات صلواتیں سنانے والی ساس!!

عصمت: نہیں نہیں سہیل۔ یہ نہ کہو...... آخر وہ اپنے بزرگ ہیں۔ کل تک میں بھی ان کے بارے میں ایسی ہی باتیں سوچا کرتی تھی۔ لیکن اب وہ بات نہیں رہی سہیل۔ جب سے مجھے اس کا احساس ہو گیا ہے کہ جلد میں خود بھی ماں بننے والی ہوں تو میرے بہت سے تصورات بدل گئے ہیں۔ مجھ میں ایک عجیب سی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے سہیل!!

سہیل: (خوشی سے بے اختیار) عصمت!! سچ عصمت؟

عصمت: (نگاہیں جھکا کر) ہاں سہیل۔ (سہیل اسے لپٹا لیتا ہے)

سہیل: (پیار سے) میری اچھی عصمت!...... آج میں بہت خوش ہوں ڈیر۔ کیا امی اور ابا اس راز سے واقف ہیں۔

عصمت: نہیں

سہیل: بخدا میں تمہیں کبھی اداس نہیں رہنے دوں گا۔

عصمت: (افسردگی سے) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اپنی مرضی سے اداس رہتی ہوں؟ میں چاہتی تو ہوں کہ ہمیشہ خوش رہوں۔ لیکن نہ جانے کیوں یہاں میرا بالکل جی نہیں لگتا سہیل...... جب تک تم دفتر سے نہیں لوٹتے، وقت گزرتا ہی نہیں۔ میں نے کئی بار کوشش کی کہ امی کی جھڑکیوں کی، ان کی صلواتوں کی پروائے کئے بغیر ہنسی خوشی زندگی گزار دوں۔ لیکن اکثر ان کی چھوبتی ہوئی طنزیہ باتوں کے جواب میں

میرے منہ سے بھی کچھ نہ کچھ نکل جاتا ہے اور پھر امی غصہ میں سارے گھر کو سر پر اٹھا لیتی ہیں...... میں کوشش کے باوجود اپنی کمزوریوں کو اب تک دور نہیں کر سکی سہیل!

سہیل : میں اس کے لیے تمہیں ذمہ دار نہیں ٹھہراتا۔

عصمت : (ٹھنڈا سانس لے کر) لیکن امی تو مجھے قصور وار سمجھتی ہیں۔ شادی سے پہلے میں نے ارمانوں کی ایک عجیب دنیا بسا رکھی تھی سہیل! میں اپنے گھر میں امی کو حکومت کرتے دیکھتی تو میں مستقبل کے سہانے خوابوں میں کھو جاتی۔ میں سوچنے لگتی، وہ دن دور نہیں جب میرا بھی اپنا گھر ہو گا جس کی میں مالک ہوں گی۔ جہاں میں امی کی طرح حکومت کر سکوں گی۔ جہاں مجھ پر کسی طرح کی پابندیاں نہیں ہوں گی۔ لیکن یہاں آنے کے بعد......!!

(وہ رک جاتی ہے اور کھوئے ہوئے سے انداز ہ میں کھڑی دیکھنے لگتی ہے جو دیوار پر ٹک ٹک کئے جا رہی ہے)

سہیل : (آہستہ سے) یہاں آنے کے بعد تمہاری تمام آرزوئیں ختم ہو گئیں۔ تمہاری حسین تمناؤں کا گلا گھونٹ دیا گیا۔

عصمت : (حسرت ناک لہجے میں) نہ گھر ہی میرا ہو سکا نہ گھر والے۔ میں اپنے گھر کی مالک تو کیا ملازمہ بھی نہ بن سکی۔ شوہر ضرور میرے ہیں۔ میں ان کی کچھ نہیں ہوں۔ مجھ پر ہر طرح کی پابندیاں عائد ہیں......اور شاید یہی وجہ ہے کہ میں اپنا دم گھٹتا محسوس کرتی ہوں سہیل!

(برآمدہ کی طرف سے بیگم اور مقبول احمد کی آوازیں یکا یک سنائی دیتی ہیں۔ وہ اسی طرح آ رہے ہیں)

سہیل : امی اور ابا آ رہے ہیں شاید۔

(وہ کچھ ہٹ کر بیٹھ جاتا ہے۔ مقبول اور بیگم اسٹیج پر آتے ہیں۔ ان کے ساتھ ستارہ ہے)

سہیل : (حیرت سے) ستارہ!! اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

ستارہ : (گھٹے ہوئے گلے میں) بھائی جان!!

(وہ تیزی سے آگے بڑھ کر بھائی سے لپٹ جاتی ہے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہے)

سہیل: (پریشان ہو کر) بات کیا ہے ستارہ؟ ''تم یکا یک بغیر اطلاع دیئے کیسے آ گئیں؟ لطیف کہاں ہیں؟

بیگم : (غصہ سے) خدا غارت کرے اس بدمعاش کو!!

مقبول : خدا کے لیے صبر سے کام لو بیگم! یوں اسے کوسنے سے کیا فائدہ؟

بیگم: میرے دل کو ٹھنڈک تو ہو گی

سہیل : (کچھ نہ سمجھ کر) آخر بات کیا ہے ابا جان؟

مقبول : لطیف دوسری شادی کر رہا ہے سہیل۔ اس نے ستارہ کو میکے بھیج دیا ہے۔

سہیل :(غصہ سے) بدمعاش کہیں کا......اسے یہ آخر کیا سوجھی؟...... یہ یکا یک اسے ہو کیا گیا؟

بیگم :کیا ہوا؟......اس رذیل کا دماغ خراب ہو گیا۔جس دن سے میری بچی گئی ہے ان کنگاوں کے یہاں پل بھر کو بھی اسے چین نہ ملا۔وہ گھر کی مالک تو کیا ملازمہ بن گئی۔اس سے کپڑے دھلوائے گئے۔برتن منجھوائے گئے۔مسالے پسوائے گئے۔توبہ!!......میری بھولی بچی کے ذرا ہاتھ تو دیکھو سہیل......مسالہ پیستے پیستے چھالے پڑ گئے ہیں (وہ ستارہ کی ہتھیلیاں دکھاتی ہیں۔ستارہ صوفے پر بیٹھی رو رہی ہے۔عصمت اسے دلاسا دے رہی ہے)

مقبول : میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ اس میں ستارہ کا کوئی قصور نہیں۔ستارہ سے ہو نہ ہو ایسی غلطیاں ضرور ہوئی ہوں گی جن کی وجہ سے لطیف نے یہ قدم اٹھایا۔

ستارہ:(روتے ہوئے) میں آخر کب تک مصیبتیں جھیلتی ابا جان؟......وہاں جا کر میں نے خود کو گھر کی ملازمہ سے بدتر پایا۔مجھے امید تھی کہ کم از کم اپنے شوہر پر حکومت کر سکوں۔لیکن لطیف تو بس اپنی امی کے ہیں۔آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی امی۔انہوں نے آج تک مجھے اپنی تنخواہ لا کر نہیں دی۔

بیگم :تنخواہ لا کر نہیں دی؟ اے لو......تو کیا کمبخت اپنی ماں کو دیا کرتا ہے؟

ستارہ : ہاں امی تنخواہ خود لے کر اپنی مرضی سے خرچ کرنے کی آرزو میرے دل ہی میں رہ گئی۔یہ سب باتیں مجھ سے برداشت نہ ہو سکیں اور ایک دن میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں اس گھر کی مالک ہوں، ملازمہ نہیں۔اس پر وہ بہت بگڑے۔کہنے لگے اس گھر کی صحیح مالک امی ہیں۔اور ہم سب صرف ان کے فرماں بردار ہیں۔مجھ سے صرف اتنی غلطی ہوئی کہ میں نے غصہ میں ان کی امی کو برا بھلا کہا جس پر ماں بیٹے بے حد ناراض ہوئے اور انہوں نے مجھے میکے بھیج دیا (وہ دوبارہ رونے لگتی ہے۔عصمت اسے دلاسا دیتی ہے اور اسے اپنے ساتھ لے جاتی ہے)

سہیل :دیکھ لیا نا امی!......میرا خیال ٹھیک نکلا

مقبول :ستارہ نے سخت حماقت کی۔

بیگم :اے لو......اب تم بھی چلے میری بچی کو قصوروار ٹھہرانے؟......ستارہ نے ٹھیک ہی تو کہا تھا۔آخر اس کے دل میں بھی آرزوئیں ہیں، ارمان ہیں، آخر وہ کب تک اپنے ہی گھر میں ملازمہ بنی رہتی؟

سہیل :اب آیا یہ مسئلہ آپ کی سمجھ میں؟ میں پوچھتا ہوں آخر عصمت اس گھر میں کب تک ملازمہ بنی رہے گی امی!

بیگم :لو اور سن لو......اب چیونٹی کے بھی پر نکل آئے (مقبول سے) سن رہے تم۔؟ اب میں کھٹکنے لگی ہوں ان کی نظروں میں۔

مقبول :(آہستہ سے) یہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے۔جس طرح تمہاری ستارہ کے دل میں حکومت کرنے کی آرزو ہے، ویسی ہی آرزو عصمت

کے دل میں بھی ہوگی۔آخر وہ بھی انسان ہے۔اس کے پہلو میں بھی جوان دھڑکتا ہوا دل ہے۔

بیگم :(غصہ سے) اب تم بھی لگے ہوان کی طرفداری کرنے؟......ٹھیک ہے۔اس گھر میں سب اچھے ہیں۔ایک میں بری ہوں۔خدا مجھے موت بھی تو نہیں دیتا (وہ رونے لگتی ہے)

مقبول :(اکتا کر) اب تم سے کون بحث کرے، میری باتیں سمجھے بغیر خود کو کوسنے لگیں؟

بیگم :(گھٹے ہوئے گلے میں) خود کو نہ کوسوں تو اور کیا کروں، میرا اس دنیا میں اب ہے کون؟......

ایک بیٹا تھا وہ بھی نالائق نکلا، بیوی کے اشاروں پر ناچ رہا ہے کمبخت۔

سہیل :(غصہ سے) جو جی میں آئے کہیے امی......میں نے سچی باتیں کہیں تو آپ کو بری لگ گئیں۔ہم دونوں واقعی برے ہیں امی۔اس لیے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ اب علاحدہ گھر لے کر رہوں گا......میں جارہا ہوں اس کا فوری انتظام کرنے (وہ دروازے کی طرف مڑ جاتا ہے)

مقبول:(آہستہ سے) سہیل!!!

(وہ پل بھر کے لیے رک جاتا ہے لیکن پھر فوراً اسٹیج پر سے چلا جاتا ہے)

مقبول :(آہستہ سے) دیکھ لیا نا تم نے؟ آخر وہ چلا گیا......اب سے چند گھنٹوں کے بعد اس گھر میں ہم تنہا رہ جائیں گے بیگم! ......شاید ستارہ بھی اب ہمارے ساتھ رہنا پسند نہ کرے۔

بیگم :(جل کر) جانے دو اس کمبخت کو بھی......انہوں نے ہی تو اسے پال پوس کر بڑا کیا ہے۔ہم کون ہوتے ہیں اس کے۔

مقبول :(افسردگی کے ساتھ) یہ تم کہہ رہی ہو؟......ان کے چلے جانے کے بعد کیا یہ گھر رہنے کے لائق بھی ہوگا؟ گھر کی رونق تو بچوں سے ہوتی ہے۔جب یہاں بچے ہی نہیں ہوں گے تو یہ گھر۔گھر نہیں قبرستان معلوم ہوگا، جہاں انسان نہیں بے قرار روحیں بھٹکتی پھرتی ہیں۔

(وہ اٹھ کر دریچہ تک جاتا ہے اور باہر دیکھنے لگتا ہے۔مختصر سا وقفہ)

بیگم :(ڈرتے ڈرتے) کیا سچ مچ ہمیں چھوڑ جائیں گے؟

مقبول :ہاں۔اب وہ یہاں سے جا کر ہی رہیں گے۔میں سہیل سے خوب واقف ہوں......ضدی۔ان کے چلے جانے کے بعد ہماری زندگی بے کیف ہوجائے گی۔اور جب کبھی اندھیری راتوں میں ہمیں بچوں کی یاد ستائے گی تو بے اختیار ہم ایک دوسرے کو تباہی کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے بیگم......خود تمہارا دل تمہیں ملامت کرے گا بیگم!

بیگم :(گھٹے ہوئے گلے میں) تم بھی مجھے ہی ذمہ دار ٹھہرا رہے ہو؟

مقبول :ہاں۔کیوں کہ حقیقت یہی ہے۔مجھے معلوم ہے تم نے جان بوجھ کر یہ نہیں کیا۔یہ ایک فطری بات ہے۔لیکن پھر بھی اس کی تباہی کی ذمہ داری تم پر آتی ہے۔تم عصمت سے عمر میں بہت بڑی ہو۔تم میں اس سے زیادہ ایثار اور قربانی کا جذبہ ہونا چاہیے تھا۔لیکن افسوس کہ اس

نے تم سے زیادہ قربانیاں دیں۔

بیگم :(آہستہ سے) تمہیں نہیں معلوم۔ وہ مجھے کتنی عزیز ہے۔ آخر وہ میری بھتیجی ہے۔ لیکن تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ شادی کے بعد وہ کس قدر بدل گئی ہے۔

مقبول :تم غلط کہہ رہی ہو۔ شادی کے بعد وہ نہیں بدلی، بلکہ تمہاری نگاہیں بدل گئیں۔ شادی سے پہلے وہ صرف تمہاری بھتیجی تھی۔ اب وہ تمھاری بہو بھی ہے۔ شادی سے پہلے اس گھر پر تمہارا راج تھا۔ تم اس گھر میں بلا روک ٹوک حکومت کرتی تھیں۔ شادی کے بعد عصمت یہاں آئی تو تمہیں اپنی حکومت کی بنیادیں کچھ کمزور ہوتی محسوس ہوئیں، تمہارا فرماں بردار بیٹا اب اپنی بیوی کا تم سے زیادہ خیال رکھنے لگا۔ اب ہر بات میں وہ تم سے مشورہ لینے کے بجائے اپنی بیوی سے مشورہ لینے لگا، تم دونوں کی حالت ایک ہی مملکت میں دو حکمرانوں کی سی ہوگئی اور تم جانتی ہو کہ ایک ملک میں دو حکمران اس وقت تک نہیں رہ سکتے جب تک ان میں سے کوئی ایک قربانی نہ دے۔

بیگم :(افسردگی سے) اب ان باتوں سے کیا فائدہ...... میں سہیل سے خوب واقف ہوں۔ ضدی...... وہ یہاں سے جا کر ہی رہے گا اسے کیا، اس کے بوڑھے والدین اس کی جدائی میں جئیں یا مریں۔

مقبول:تم غلط کہہ رہی ہو بیگم...... اب بھی وقت ہے، خدا کے لیے سمجھ سے کام لو۔ عصمت بڑی حساس لڑکی ہے، اگر تم نے اس کے جائز حقوق اس کے حوالے کئے تو وہ خود بخود تمہارے قدموں پر جھک جائے گی، وہ تمہاری بھتیجی ہے تو کیا ہوا، ہمارا یہ گھر اس کے لیے تباہی ہے۔ اس کے دل و دماغ پر اب بھی میکہ چھایا ہوا ہے، ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اپنے گھر کا ماحول اتنا شاندار بنائیں کہ وہ میکے اور سسرال کے فرق کو محسوس ہی نہ کر سکے۔ تم نے اپنے زمانے میں اس گھر پر حکومت کی بیگم...... اب یہ نوجوانوں کا زمانہ ہے، اب تمہارا فرض ہے کہ تم بہو کے راستے سے ہٹ جاؤ اور اسے اس بات کا موقع دو کہ وہ آزادی سے اپنی آرزوئیں پوری کر سکے۔

(قدموں کی چاپ......عصمت داخل ہوتی ہے)

عصمت :معاف کیجیے امی...... میں مخل ہوئی، میں نے ستارہ بہن کے کھانے کا انتظام کر دیا ہے۔ بے چاری صبح سے بھوکی ہیں جب تک وہ غسل کر رہی ہیں۔ میں پراٹھے پکالوں گی۔ جمن کو میں نے بازار بھیجا ہے (گھڑی دیکھ کر) آٹھ بج رہے ہیں۔ میرا خیال ہے۔ اگر آپ اور ابا جان بھی ستارہ بہن کے ساتھ کھانا کھالیں تو بہتر ہوگا، وہ بے حد پریشان ہیں۔ اس وقت آپ دونوں کے قرب کی انہیں بڑی ضرورت ہے۔

(مقبول معنی خیز نظروں سے بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے)

مقبول :اور تم بیٹی؟ تم بھی ہمارے ساتھ کھاو

عصمت :میں ٹھہر کر کھاوں گی ابا جان...... اس وقت تک سہیل بھی آ جائیں گے۔

بیگم :وہ پتہ نہیں کب لوٹے گا۔ ب۔ بیٹھی!! (ہچکچا کر) میرے خیال میں تم بھی ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔

عصمت: لیکن وہ اس وقت گئے کہاں؟ (مقبول اور بیگم خاموش رہنا بہتر سمجھتے ہیں)

عصمت : کیوں امی! وہ گئے کہاں

مقبول : (کھانس کر) وہ گھر کی تلاش میں گیا ہے بیٹی ......وہ تمہیں آج ہی اپنے علاحدہ مکان میں لے جانا چاہتا ہے۔

عصمت : مجھے لے جانا چاہتے ہیں......؟ (پریشان ہوکر) لیکن کیوں؟......اوہ......اب سمجھی ان کی حرکت بھی کبھی کبھی نرالی ہوتی ہے۔گھر میں مصیبت زدہ بہن پریشان ہے اور وہ علاحدہ گھر کی تلاش میں گئے ہیں۔

خوب!!......وہ آئیں تو ان سے کہہ دیجئے گا امی ...... میں یہ گھر چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی!! میں یہیں رہوں گی۔ستارہ بہن کو ہم سب کی بڑی ضرورت ہے۔

بیگم : (گھٹے ہوئے گلے میں) بیٹی!! (وہ جذبات سے بے قابو ہوکر آگے بڑھتی ہے اور عصمت کو گلے سے لگا لیتی ہے) معاف کردو بیٹی۔

عصمت : آپ مجھے شرمندہ کررہی ہیں امی......سارا قصور میرا ہے، اگر میں ہمیشہ آزردہ نہ رہتی تو شاید یہ رنجش ہرگز پیدا نہیں ہوتی۔قصور میرا ہے۔مجھے معاف کردیجئے امی۔

سہیل : گھر کا انتظام ہوگیا ہے عصمت!......ارشد کی فیملی لاہور گئی ہوتی ہے۔ان کا فلیٹ فی الحال خالی ہے۔جب تک ہمیں علاحدہ گھر!!

(وہ یکایک رک جاتا ہے اور حیرت سے عصمت کو اپنی امی کے بازوؤں میں دیکھتا ہے۔عصمت!!! (وہ تیزی سے آگے بڑھتا ہے)

عصمت : معاف کرنا سہیل......میں تمہارے ساتھ نہیں جارہی ہوں۔ہم کہیں نہیں جارہے ہیں۔ستارہ بہن کو اور امی کو اور ابا کو پریشانیوں میں چھوڑے جانا انسانیت نہیں......!

سہیل : (حیرت سے) عصمت؟؟

(مقبول قہقہہ لگاتا ہے...... پردہ اچانک گرتا ہے)